فہرست

شذرات	روزہ	جاوید احمد غامدی	۲
قرآنیات	البقرہ (۲: ۲۶۵-۲۸۱)	جاوید احمد غامدی	۷
معارفِ نبوی	جماعت میں تاخیر سے شمولیت	زاویۂ فراہی	۱۹
دین و دانش	قانون عبادات (۵)	جاوید احمد غامدی	۲۳
حالات و وقائع	دنیا پرستی (۲)	ریحان احمد یوسفی	۴۱
وفیات	بیاد خالد مسعود		
	فکر اصلاحی کا امین	جاوید احمد غامدی/منظور الحسن	۵۱
	خالد مسعود کی یاد میں	مجیب الرحمٰن شامی/معظم صفدر	۵۶
	علامہ خالد مسعود اور ان کی خدمات	معظم صفدر	۵۸
	خالد مسعود کی رحلت	طالب محسن	۶۳
	ہمارے ماموں جان	ڈاکٹر ام کلثوم	۶۴
	ذکر ایک مطمئن چہرے کا	نعیم احمد بلوچ	۶۷
ادبیات	غزل	جاوید احمد غامدی	۷۱

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

روزہ

نماز اور زکوٰۃ کے بعد تیسرا فرض روزہ ہے۔ یہ روزہ کیا ہے؟ انسان کے نفس پر جب اس کی خواہشیں غلبہ پا لیتی ہیں تو وہ اپنے پروردگار سے غافل اور اس کے حدود سے بے پروا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی غفلت اور بے پروائی کی اصلاح کے لیے ہم پر روزہ فرض کیا ہے۔ یہ عبادت سال میں ایک مرتبہ پورے ایک مہینے تک کی جاتی ہے۔ رمضان آتا ہے تو صبح سے شام تک ہمارے لیے کھانے پینے اور بیویوں کے ساتھ خلوت کرنے پر پابندی لگ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اس نے یہ عبادت ہم سے پہلی امتوں پر بھی اسی طرح فرض کی تھی جس طرح ہم پر فرض کی ہے۔ ان امتوں کے لیے، البتہ اس کی شرطیں ذرا سخت تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے جس طرح دوسری سب چیزوں کو ہلکا کیا، اسی طرح اس عبادت کو بھی بالکل معتدل بنا دیا ہے۔ تاہم دوسری سب عبادتوں کے مقابلے میں یہ اس لیے ذرا بھاری ہے کہ اس کا مقصد ہی نفس کے منہ زور رجحانات کو لگام دے کر ان کا رخ صحیح سمت میں موڑنا اور اسے حدود کا پابند بنا دینا ہے۔ یہ چیز، ظاہر ہے کہ تربیت میں ذرا سختی ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔

سحری کے وقت ہم کھا پی رہے ہوتے ہیں کہ یکا یک اذان ہوتی ہے اور ہم فوراً ہاتھ روک لیتے ہیں۔ اب خواہشیں کیسا ہی زور لگائیں، دل کیسا ہی مچلے، طبیعت کسی ہی ضد کرے، ہم ان چیزوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے جن سے روزے کے دوران میں ہمیں روک دیا گیا ہے۔ یہ ساری رکاوٹ اس وقت تک رہتی ہے، جب تک مغرب کی اذان نہیں ہوتی۔ روزہ ختم کر دینے کے لیے ہمارے رب نے یہی وقت مقرر کیا ہے۔ چنانچہ مغرب کے وقت مؤذن جیسے ہی بولتا ہے، ہم فوراً افطار کے لیے لپکتے ہیں۔ اب رات بھر ہم پر کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ رمضان کا پورا مہینا ہم اسی طرح گزارتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ وقتی طور پر اگرچہ کچھ کمزوری اور کام کرنے کی صلاحیت میں کمی تو محسوس کرتے ہیں، لیکن اس سے صبر اور تقویٰ کی وہ نعمت ہم کو حاصل ہوتی ہے جو اس زمین پر اللہ کا بندہ بن کر رہنے کے لیے ہماری روح کی اسی طرح ضرورت ہے، جس طرح ہوا

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اور پانی اور غذا ہمارے جسم کی ضرورت ہے۔ اس سے یہ حقیقت کھلتی ہے کہ آدمی صرف روٹی ہی سے نہیں جیتا، بلکہ اس بات سے جیتا ہے جو اس کے رب کی طرف سے آتی ہے۔

یہ روزہ ہر عاقل و بالغ مسلمان پر فرض ہے، لیکن وہ اگر مرض یا سفر یا کسی دوسرے عذر کی بنا پر رمضان میں یہ فرض پورا نہ کر سکے تو جتنے روزے چھوٹ جائیں، ان کے بارے میں اجازت ہے کہ وہ رمضان کے بعد کسی وقت رکھ لیے جائیں۔ روزوں کی تعداد ہر حال میں پوری ہونی چاہیے۔

اس روزے سے ہم بہت کچھ پاتے ہیں۔ سب سے بڑی چیز اس سے یہ حاصل ہوتی ہے کہ ہماری روح خواہشوں کے زور سے نکل کر علم و عقل کی ان بلندیوں کی طرف پرواز کے قابل ہو جاتی ہے، جہاں آدمی دنیا کی مادی چیزوں سے برتر اپنے رب کی بادشاہی میں جیتا ہے۔

اس مقصد کے لیے روزہ ان سب چیزوں پر پابندی لگاتا ہے جن سے خواہشیں بڑھتی ہیں اور لذتوں کی طرف میلان میں اضافہ ہوتا ہے۔ بندہ جب یہ پابندی جھیلتا ہے تو اس کے نتیجے میں زہد و فقیری کی جو حالت اس پر طاری ہو جاتی ہے، اس سے وہ دنیا سے ٹوٹتا اور اپنے رب سے جڑتا ہے۔ روزے کا یہی پہلو ہے جس کی بنا پر اللہ نے فرمایا ہے کہ روزہ میرے لیے ہے اور اس کی جزا بھی میں اپنے ہاتھ سے دوں گا، اور فرمایا کہ روزے دار کے منہ کی بو مجھے مشک کی خوش بو سے زیادہ پسند ہے۔

ہر اچھے کام کا اجر سات سو گنا ہو سکتا ہے، لیکن روزہ اس سے بھی آگے ہے۔ اس کی جزا کیا ہوگی؟ اس کا علم صرف اللہ کو ہے۔ جب بدلے کا دن آئے گا تو وہ یہ بھید کھولے گا اور خاص اپنے ہاتھ سے ہر روزے دار کو اس کے عمل کا صلہ دے گا۔ پھر کون اندازہ کر سکتا ہے کہ آسمان و زمین کا مالک جب اپنے ہاتھ سے صلہ دے گا تو اس کا بندہ کس طرح نہال ہو جائے گا۔

دوسری چیز اس سے یہ حاصل ہوتی ہے کہ انسان کے وجود میں فتنے کے دروازے بڑی حد تک بند ہو جاتے ہیں۔ یہ زبان اور شرم گاہ، یہی دونوں وہ جگہیں ہیں جہاں سے شیطان بالعموم انسان پر حملہ کرتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص مجھے ان دو چیزوں کے بارے میں ضمانت دے گا جو اس کے دونوں گالوں اور دونوں ٹانگوں کے درمیان ہیں، میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ روزہ ان دونوں پر پہرا بٹھا دیتا ہے اور صرف کھانا پینا ہی نہیں، زبان اور شرم گاہ میں حد سے بڑھنے کے جتنے میلانات ہیں، ان سب کو کمزور کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ آدمی کے لیے وہ کام بہت آسان ہو جاتے ہیں جن سے اللہ کی رضا اور جنت مل سکتی اور ان کاموں کے راستے اس کے لیے بڑی حد تک بند ہو جاتے ہیں جن سے اللہ ناراض ہوتا ہے اور جن کی وجہ سے وہ دوزخ میں جائے گا۔ یہی حقیقت ہے جسے اللہ کے نبی نے اس طرح بیان کیا ہے کہ روزوں کے مہینے میں شیطان کو بیڑیاں پہنا دی جاتی ہیں۔

تیسری چیز یہ حاصل ہوتی ہے کہ انسان کا اصلی شرف، یعنی ارادے کی قوت اس کی شخصیت میں نمایاں ہو جاتی ہے اور اس طریقے پر تربیت پا لیتی ہے کہ وہ اس کے ذریعے سے اپنی طبیعت میں پیدا ہونے والے ہر ہیجان کو اس کے حدود میں رکھنے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کے قابل ہو جاتا ہے۔ ارادے کی یہ قوت اگر کسی شخص میں کمزور ہو تو وہ نہ اپنی خواہشوں کو بے لگام ہونے سے بچا سکتا ہے، نہ اللہ کی شریعت پر قائم رہ سکتا ہے اور نہ طمع، اشتعال، نفرت اور محبت جیسے جذبوں کو اعتدال پر قائم رکھ سکتا ہے۔ یہ سب چیزیں انسان سے صبر چاہتی ہیں اور صبر کے لیے یہ ضروری ہے کہ انسان میں ارادے کی قوت ہو۔ روزہ اس قوت کو بڑھاتا اور اس کی تربیت کرتا ہے۔ پھر یہی قوت انسان کو برائی کے مقابلے میں اچھائی پر قائم رہنے میں مدد دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے نبی نے روزے کو ڈھال کہا اور انسان کو بتایا کہ وہ برائی کی ہر ترغیب کے سامنے یہ ڈھال اس طرح استعمال کرے کہ جہاں کوئی شخص اسے برائی پر ابھارے، وہ اس کے جواب میں یہ کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں۔

چوتھی چیز یہ حاصل ہوتی ہے کہ انسان میں ایثار کا جذبہ ابھرتا ہے اور اسے دوسروں کے دکھ درد کو سمجھنے اور ان کے لیے کچھ کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ روزے میں آدمی کو بھوک اور پیاس کا جو تجربہ ہوتا ہے، وہ اسے غریبوں کے قریب کر دیتا ہے اور ان کی ضرورتوں کا صحیح احساس اس میں پیدا کرتا ہے۔ روزے کا یہ اثر، بے شک کسی پر کم پڑتا ہے اور کسی پر زیادہ، لیکن ہر شخص کی صلاحیت اور اس کی طبیعت کی سلامتی کے لحاظ سے پڑتا ضرور ہے۔ وہ لوگ جو اس اعتبار سے زیادہ حساس ہوتے ہیں، ان کے اندر تو گویا دریا امنڈ پڑتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ آپ یوں تو ہر حال میں بے حد فیاض تھے، مگر رمضان میں تو بس جود و کرم کے بادل بن جاتے اور اس طرح برستے کہ ہر طرف جل تھل ہو جاتا تھا۔

پانچویں چیز یہ حاصل ہوتی ہے کہ رمضان کے مہینے میں روزے دار کو جو خلوت اور خاموشی اور دوسروں سے کسی حد تک الگ تھلگ ہو جانے کا موقع ملتا ہے، اس میں قرآن مجید کی تلاوت اور اس کے معنی کو سمجھنے کی طرف بھی طبیعت زیادہ مائل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ کتاب اسی ماہ رمضان میں اتاری اور اسی نعمت کی شکر گزاری کے لیے اس کو روزوں کا مہینا بنا دیا ہے۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جبریل علیہ السلام بھی اسی مہینے میں قرآن سننے اور سنانے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے۔ روزے سے قرآن مجید کی یہی مناسبت ہے جس کی بنا پر امت کے اکابر اس مہینے میں اپنے نبی کی پیروی میں رات کے پچھلے پہر اور عام لوگ انھی کی اجازت سے عشا کے بعد نفلوں میں اللہ کا کلام سنتے اور سناتے رہے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کی راتوں میں نماز کے لیے کھڑا رہا، اس کا یہ عمل اس کے پچھلے گناہوں کی معافی کا ذریعہ بن جائے گا۔

چھٹی چیز یہ حاصل ہوتی ہے کہ آدمی اگر چاہے تو اس مہینے میں بہت آسانی کے ساتھ اپنے پورے دل اور پوری جان کے ساتھ اپنے رب کی طرف متوجہ ہو سکتا ہے۔ اللہ کے بندے اگر یہ چیز آخری درجے میں حاصل کرنا چاہیں تو اس کے لیے اسی رمضان میں اعتکاف کا طریقہ بھی مقرر کیا گیا ہے۔ یہ اگرچہ ہر شخص کے لیے ضروری نہیں ہے، لیکن دل کو اللہ کی طرف لگانے کے لیے یہ بڑی اہم عبادت ہے۔ اعتکاف کے معنی ہمارے دین میں یہ ہیں کہ آدمی دس دن یا اپنی سہولت کے مطابق اس سے کم کچھ دنوں کے لیے سب سے الگ ہو کر اپنے رب سے لو لگا کر مسجد میں بیٹھ جائے اور اس عرصے میں کسی ناگزیر ضرورت ہی کے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

لیے وہاں سے نکلے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں اکثر اس کا اہتمام فرماتے تھے اور خاص طور پر اس ماہ کے آخری دس دنوں میں رات کو خود بھی زیادہ جاگتے، اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے اور پوری مستعدی کے ساتھ اللہ کی عبادت میں لگے رہتے تھے۔

یہ سب چیزیں روزے سے حاصل ہو سکتی ہیں، مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ روزے دار ان خرابیوں سے بچیں جو اگر روزے میں در آئیں تو اس کی ساری برکتیں بالکل ختم ہو جاتی ہیں۔ یہ خرابیاں اگرچہ بہت سی ہیں، لیکن ان میں بعض ایسی ہیں کہ ہر روزے دار کو ان کے بارے میں ہر وقت ہوشیار رہنا چاہیے۔

ان میں سے ایک خرابی یہ ہے کہ لوگ رمضان کو لذتوں اور چٹخاروں کا مہینا بنا لیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس مہینے میں جو بھی خرچ کیا جائے، اس کا اللہ کے ہاں کوئی حساب نہیں ہے۔ چنانچہ اس طرح کے لوگ اگر کچھ کھاتے پیتے بھی ہوں تو ان کے لیے تو پھر یہ مزے اڑانے اور بہار لوٹنے کا مہینا ہے۔ وہ اس کو نفس کی تربیت کے بجائے اس کی پرورش کا مہینا بنا لیتے ہیں اور ہر روز افطار کی تیاریوں ہی میں صبح کو شام کرتے ہیں۔ وہ جتنا وقت روزے سے ہوتے ہیں، یہی سوچتے ہیں کہ سارے دن کی بھوک پیاس سے جو خلا ان کے پیٹ میں پیدا ہوا ہے، اسے وہ اب کن کن نعمتوں سے بھریں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اول تو تو روزے سے وہ کچھ پاتے ہی نہیں اور اگر کچھ پاتے ہیں تو اسے وہیں کھو دیتے ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اس خرابی سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے اندر کام کی قوت کو باقی رکھنے کے لیے کھائے پیے تو ضرور، لیکن اس کو جینے کا مقصد نہ بنا لے۔ جو کچھ بغیر کسی اہتمام کے مل جائے، اس کو اللہ کا شکر کرتے ہوئے کھا لے۔ گھر والے جو کچھ دستر خوان پر رکھ دیں، وہ اگر دل کو نہ بھی بھائے تو اس پر خفا نہ ہو۔ اللہ نے اگر مال و دولت سے نوازا ہے تو اپنے نفس کو پالنے کے بجائے، اسے غریبوں اور فقیروں کی مدد اور ان کے کھلانے پلانے پر خرچ کرے۔ یہ چیز یقیناً اس کے روزے کی برکتوں کو بڑھائے گی۔ روایتوں میں آتا ہے کہ اللہ کے نبی نے رمضان میں اس عمل کی بڑی فضیلت بیان کی ہے۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ بھوک اور پیاس کی حالت میں چونکہ طبیعت میں کچھ تیزی پیدا ہو جاتی ہے، اس وجہ سے بعض لوگ روزے کو اس کی اصلاح کا ذریعہ بنانے کے بجائے، اسے بھڑکانے کا بہانہ بنا لیتے ہیں۔ وہ اپنے بیوی بچوں اور اپنے نیچے کام کرنے والوں پر ذرا ذرا سی بات پر برس پڑتے، جو منہ میں آیا، کہہ گزرتے، بلکہ بات بڑھ جائے تو گالیوں کا جھاڑ باندھ دیتے ہیں اور بعض حالتوں میں اپنے زیردستوں کو مارنے پیٹنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ اس کے بعد وہ اپنے آپ کو یہ کہہ کر مطمئن کر لیتے ہیں کہ روزے میں ایسا ہو ہی جاتا ہے۔

اس کا علاج اللہ کے نبی نے یہ بتایا ہے کہ آدمی اس طرح کے سب موقعوں پر روزے کو اس اشتعال کا بہانہ بنانے کے بجائے اس کے مقابلے میں ایک ڈھال کی طرح استعمال کرے، اور جہاں اشتعال کا کوئی موقع پیدا ہو، فوراً یاد کرے کہ میں روزے سے ہوں۔ وہ اگر غصے اور اشتعال کے ہر موقع پر یاد دہانی کا یہ طریقہ اختیار کرے گا تو آہستہ آہستہ دیکھے گا کہ بڑی سے بڑی ناگوار باتیں بھی اب اسے گوارا ہیں۔ وہ محسوس کرے گا کہ اس نے اپنے نفس کے شیطان پر اتنا قابو پا لیا ہے کہ وہ

اب اسے گرا لینے میں کم ہی کامیاب ہوتا ہے۔ شیطان کے مقابلے میں فتح کا یہ احساس اس کے دل میں اطمینان اور برتری کا احساس پیدا کرتا ہے اور روزے کی یہی یاددہانی اس کی اصلاح کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ پھر وہ وہیں غصہ کرتا ہے، جہاں اس کا موقع ہوتا ہے۔ وقت بے وقت اسے مشتعل کر دینا کسی کے لیے ممکن نہیں رہتا۔

تیسری خرابی یہ ہے کہ بہت سے لوگ جب روزے میں کھانے پینے اور اس طرح کی دوسری دل چسپیوں کو چھوڑتے ہیں تو اپنی اس محرومی کا مداوا ان دل چسپیوں میں ڈھونڈنے لگتے ہیں جن سے ان کے خیال میں روزے کو کچھ نہیں ہوتا، بلکہ وہ بہل جاتا ہے۔ وہ روزہ رکھ کر تاش کھیلیں گے، ناول اور افسانے پڑھیں گے، نغمے اور غزلیں سنیں گے، فلمیں دیکھیں گے، دوستوں میں بیٹھ کر گپیں ہانکیں گے اور اگر یہ سب نہ کریں گے تو کسی کی غیبت اور ہجو ہی میں لپٹ جائیں گے۔ روزے میں پیٹ خالی ہو تو آدمی کو اپنے بھائیوں کا گوشت کھانے میں ویسے بھی بڑی لذت ملتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بعض اوقات صبح اس مشغلے میں پڑتے ہیں اور پھر مؤذن کی اذان کے ساتھ ہی اس سے ہاتھ کھینچتے ہیں۔

اس خرابی کا ایک علاج تو یہ ہے کہ آدمی خاموشی کو روزے کا ادب سمجھے اور زیادہ سے زیادہ یہی کوشش کرے کہ اس کی زبان پر کم سے کم اس مہینے میں تو تالا لگا رہے۔ اللہ کے نبی نے فرمایا کہ آدمی اگر ہر قسم کی جھوٹی سچی باتیں زبان سے نکالتا ہے تو اللہ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اس کا دوسرا علاج یہ ہے کہ جو وقت ضروری کاموں سے بچے، اس میں آدمی قرآن وحدیث کا مطالعہ کرے اور دین کو سمجھے۔ وہ روزے کی اس فرصت کو غنیمت سمجھ کر اس میں قرآن مجید اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی دعاؤں کا کچھ حصہ یاد کر لے۔ اس طرح وہ اس وقت ان مشغلوں سے بچے گا اور بعد میں یہی ذخیرہ اللہ کی یاد کو اس کے دل میں قائم رکھنے کے لیے اس کے کام آئے گا۔

چوتھی خرابی یہ ہے کہ آدمی بعض اوقات روزہ اللہ کے لیے نہیں، بلکہ اپنے گھر والوں اور ملنے جلنے والوں کی ملامت سے بچنے کے لیے رکھتا ہے اور کبھی لوگوں میں اپنی دین داری کا بھرم قائم رکھنے کے لیے یہ مشقت جھیلتا ہے۔ یہ چیز بھی روزے کو روزہ نہیں رہنے دیتی۔

اس کا علاج یہ ہے کہ آدمی روزے کی اہمیت ہمیشہ اپنے نفس کے سامنے واضح کرتا رہے اور اسے تلقین کرے کہ جب کھانا پینا اور دوسری لذتیں چھوڑ ہی رہے ہو تو پھر انھیں اللہ کے لیے کیوں نہیں چھوڑتے۔ اس کے ساتھ رمضان کے علاوہ کبھی کبھی نفلی روزے بھی رکھے اور انھیں زیادہ سے زیادہ چھپانے کی کوشش کرے۔ اس سے امید ہے کہ اس کے یہ فرض روزے بھی کسی وقت اللہ ہی کے لیے خالص ہو جائیں گے۔

—— جاوید احمد غامدی

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورة البقرة

(۵۸)

(گزشتہ سے پیوستہ)

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ، وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ، كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ، اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ، فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ، وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾

اللہ کی خوشنودی چاہنے کے لیے اور اپنے آپ کو (حق پر) قائم رکھنے کی غرض سے[۷۰۵] اپنا مال خرچ کرنے والوں کی مثال اُس باغ کی ہے جو بلند اور ہموار زمین پر واقع ہو[۷۰۶]۔ اُس پر زور کی بارش ہو جائے تو دونا پھل لائے اور زور کی بارش نہ ہو تو پھوار بھی کافی ہو جائے۔ (یہ مثال سامنے رکھو) اور (مطمئن رہو کہ) جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُسے دیکھ رہا ہے۔ ۲۶۵

[۷۰۵] اصل میں 'تثبیتاً من انفسھم' کے الفاظ آئے ہیں۔ اِن میں 'من' 'گویا 'تثبیتاً' کے مفعول پر داخل ہے۔ یعنی اللہ کی خوشنودی کے ساتھ وہ اِس لیے بھی خرچ کرتے ہیں کہ اِس سے اُنھیں نفس کی خواہشات پر قابو پانے اور اُسے حق پر جمائے رکھنے کی تربیت حاصل ہو۔

[۷۰۶] اصل میں لفظ 'ربوۃ' استعمال ہوا ہے۔ اِس کے معنی بلند اور مرتفع زمین کے ہیں۔ یہ لفظ یہاں جس مقصد سے آیا ہے، استاذ امام نے اِس کی وضاحت فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''...بلند اور ہموار زمین کے لیے آب و ہوا کی خوش گواری ایک مسلم شے ہے۔ اگر ایسی زمین پر باغ ہو تو اُس کی بلندی ایک

اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ اَنْ تَکُوْنَ لَہٗ جَنَّۃٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ، تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْھٰرُ، لَہٗ فِیْہَا مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ، وَاَصَابَہُ الْکِبَرُ، وَلَہٗ ذُرِّیَّۃٌ ضُعَفَآءُ، فَاَصَابَہَآ اِعْصَارٌ فِیْہِ نَارٌ، فَاحْتَرَقَتْ. کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ تَتَفَکَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾

یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا، اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ، وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ، وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ، مِنْہُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْہِ اِلَّآ اَنْ

کیا تم میں کوئی یہ پسند کرے گا کہ اُس کے پاس کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں۔ اُس میں اُس کے لیے ہر قسم کے پھل ہوں[۷۰۷] اور وہ بوڑھا ہو جائے اور اُس کے بچے ابھی ناتواں ہوں اور باغ پر سموم کا بگولا پھر جائے اور وہ جل کر خاک ہو جائے۔ (احسان جتا کر اور دوسروں کی دل آزاری کر کے اپنا انفاق برباد کر لینے والوں کی حالت قیامت میں یہی ہو گی)۔ اللہ اِسی طرح اپنی آیتیں تمھارے لیے واضح کرتا ہے تاکہ تم غور کرو۔ ۲۶۶

ایمان والو، اپنی پاکیزہ کمائی میں سے خرچ کرو[۷۰۸] اور اُس میں سے بھی جو ہم نے تمھارے لیے زمین سے

طرف تو اُس کی خوش منظری کا باعث ہوتی ہے، دوسری طرف اُس کو سیلاب وغیرہ سے محفوظ کرتی ہے۔ نیز ہموار زمین پر ہونے کے سبب سے اُس کے لیے اُس طرح پھسل کر فنا ہو جانے کا اندیشہ بھی نہیں ہوتا جو ڈھلوان زمینوں کے باغوں اور فصلوں کے لیے ہوتا ہے۔ پھر آب و ہوا کی خوبی اُس کی بار آوری کی ضامن ہوتی ہے۔ اگر موسم ساز گار رہا تو پوچھنا ہی کیا ہے، اگر ساز گار نہ ہوا، جب بھی وہ پھل دے جاتا ہے۔'' (تدبر قرآن ۱/۶۱۷)

[۷۰۷] یہ عربوں کے تصور کے مطابق ایک اچھے باغ کی تصویر ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''اُن کے ہاں اچھے باغ کا تصور یہ ہے کہ اُس کے کنارے کنارے کھجوروں کے درخت ہوں، بیچ میں انگور کی بیلیں ہوں، مناسب مواقع سے مختلف فصلوں کی کاشت کے لیے قطعات ہوں، باغ بلندی پر ہو، اُس کے نیچے نہر بہ رہی ہو جس کی نالیاں باغ کے اندر دوڑا دی گئی ہوں۔'' (تدبر قرآن ۱/۶۱۸)

[۷۰۸] یعنی اپنے اُس مال میں سے خرچ کرو جو اچھا ہو، بے وقعت اور گھٹیا نہ ہو اور تم نے اُسے کسی غلط اور مشتبہ طریقے

تُغۡمِضُوۡا فِيۡهِ، وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيۡدٌ ﴿۲۶۷﴾

اَلشَّيۡطٰنُ يَعِدُكُمُ الۡفَقۡرَ، وَيَاۡمُرُكُمۡ بِالۡفَحۡشَآءِ، وَاللّٰهُ يَعِدُكُمۡ مَّغۡفِرَةً مِّنۡهُ وَفَضۡلًا، وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۶۸﴾ يُّؤۡتِی الۡحِكۡمَةَ مَنۡ يَّشَآءُ، وَمَنۡ يُّؤۡتَ الۡحِكۡمَةَ، فَقَدۡ اُوۡتِیَ خَيۡرًا كَثِيۡرًا، وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۲۶۹﴾

نکالا[709] ہے، اور کوئی بری چیز تو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے کا خیال بھی نہ کرو۔ تم اِس طرح کی چیزوں میں سے خرچ کرتے ہو، لیکن خود آنکھیں موند نہ لو تو اُسے لینے کے لیے تیار نہیں ہوتے اور جان رکھو کہ (تمھاری اِس خیرات سے) اللہ بے نیاز ہے، وہ ستودہ صفات ہے۔ ۲۶۷

شیطان تمھیں تنگ دستی سے ڈراتا اور (خرچ کے لیے) بے حیائی کی راہ سجھاتا ہے[710] اور اللہ اپنی طرف سے تمھارے ساتھ مغفرت اور عنایت کا وعدہ کرتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت اور بڑا علم رکھنے والا ہے۔ وہ (اپنے قانون کے مطابق) جس کو چاہتا ہے، (اِس وعدے کا) فہم عطا کر دیتا ہے[711]، اور جسے یہ فہم دیا گیا، اُسے تو درحقیقت خیر کثیر کا ایک خزانہ دے دیا گیا۔ لیکن (اِس طرح کی باتوں سے) یاددہانی صرف دانش مند ہی حاصل کرتے ہیں۔ ۲۶۸-۲۶۹

سے نہیں، بلکہ جائز طریقے سے کمایا ہو۔

[۷۰۹] اِس سے واضح ہے کہ پہلے اُس کمائی کا ذکر ہے جو تجارت وغیرہ کے طریقوں سے حاصل ہوتی ہے۔ زراعت اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایک الگ قسم ہے۔ چنانچہ اُس کے لیے زکوٰۃ کی شرح بھی اِسی بنا پر الگ رکھی گئی ہے۔

[۷۱۰] اصل میں 'امر' کا لفظ آیا ہے۔ یہ جس طرح حکم دینے کے معنی میں آتا ہے، اِسی طرح ترغیب دینے اور سجھانے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شیطان ایک تو مستقبل کے موہوم خطرات سے ڈرا کر تمھیں اللہ کی راہ میں انفاق سے روکتا ہے اور دوسرے نفس کی راہ میں فضول خرچی اور عیاشی کی ترغیب دیتا ہے تاکہ کسی بڑے مقصد کے لیے خرچ کرنے کی گنجایش ہی باقی نہ رہ جائے۔

[۷۱۱] چنانچہ وہ دنیا اور اُس کی نقد لذتوں کو چھوڑ کر خدا کے فضل اور اُس کی بخشش کی امید میں اور ایک نادیدہ عالم کی کامیابیوں کے لیے اپنی کمائی لٹانے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

وَمَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ نَّفَقَةٍ اَوۡ نَذَرۡتُمۡ مِّنۡ نَّذۡرٍ، فَاِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُهٗ، وَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ﴿۲۷۰﴾

اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ، وَاِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَتُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ، فَهُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ، وَيُكَفِّرُ عَنۡكُمۡ مِّنۡ سَيِّاٰتِكُمۡ، وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ﴿۲۷۱﴾

لَيۡسَ عَلَيۡكَ هُدٰهُمۡ، وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِيۡ مَنۡ يَّشَآءُ، وَ مَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ

(اِس بات کو سمجھ لو) اور (مطمئن رہو کہ) جو خرچ بھی تم کرو گے یا جو نذر بھی تم مانو گے،[۷۱۲] (اُس کا صلہ لازماً پاؤ گے)، اِس لیے کہ اللہ اُسے جانتا ہے اور (اللہ کی اِس ہدایت سے منہ موڑ کر) اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والوں کا (اللہ کے ہاں) کوئی مددگار نہ ہوگا۔ ۲۷۰

تم اپنی خیرات علانیہ دو تو یہ بھی کیا اچھی بات ہے[۷۱۳] اور اُسے چھپاؤ اور غریبوں کو دے دو تو یہ تمھارے حق میں زیادہ بہتر ہے۔[۷۱۴] (اِس سے) اللہ تمھارے گناہ مٹا دے گا اور (اِس میں تو کوئی شبہ ہی نہیں کہ) جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔[۷۱۵] ۲۷۱

(بنی اسرائیل نہیں مانتے تو اے پیغمبر)، اِن کو ہدایت پر لے آنا تمھاری ذمہ داری نہیں ہے، بلکہ اللہ ہی

---

[۷۱۲] نذر منت کو کہتے ہیں۔ یعنی اللہ سے عہد کیا جائے کہ میری فلاں مراد پوری ہوگئی تو میں فلاں اور فلاں عبادت یا ریاضت کروں گا یا اتنا صدقہ دوں گا۔ یہ اگرچہ کوئی پسندیدہ چیز نہیں ہے، لیکن اِس طرح کا عہد کرلیا جائے تو صاف واضح ہے کہ اُسے ہر حال میں پورا ہونا چاہیے۔

[۷۱۳] اِس لیے کہ اِس سے دوسروں کو انفاق کی ترغیب ہوتی ہے۔

[۷۱۴] اِس لیے کہ اِس سے حاجت مندوں کی عزت نفس بھی مجروح نہیں ہوتی اور خود دینے والا بھی ریا اور نمایش کے فتنے سے محفوظ رہتا ہے۔

[۷۱۵] مطلب یہ ہے کہ چھپا کر دو گے تو یہ اللہ سے چھپا نہیں رہے گا۔ علانیہ اور پوشیدہ، سب تمھارے لحاظ سے ہے۔ اللہ سے کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں رہتی۔ تم جو کچھ بھی کرو گے اور جہاں بھی کرو گے، وہ اُس سے باخبر ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

فَلِاَنْفُسِكُمْ، وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ، وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ
اِلَيْكُمْ، وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾
لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ،
يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ، تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ
اِلْحَافًا، وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ، فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ

جس کو چاہتا ہے، (اپنے قانون کے مطابق) ہدایت دیتا ہے۔[۷۱۶] (اِس لیے اِس سے قطع نظر کر کے تم، مسلمان یہ سمجھ لو کہ) جو مال بھی تم خرچ کرو گے، اُس کا نفع تمھیں ہی ملنا ہے، اور تم اِسی لیے تو خرچ کر رہے ہو کہ اللہ کی رضا حاصل ہو، اور (اِس مقصد سے) جو مال بھی تم خرچ کرو گے، وہ (قیامت میں) تمھیں پورا کر دیا جائے گا اور تمھارے حق میں ذرا بھی کمی نہ ہو گی۔ ۲۷۲

یہ[۷۱۷] (بالخصوص) اُن غریبوں کے لیے ہے[۷۱۸] جو اللہ کی راہ میں گھرے ہوئے ہیں، اپنے کاروبار کے لیے زمین میں کوئی دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے، اُن کی خودداری کے باعث ناواقف اُن کو غنی خیال کرتا ہے، اُن کے چہروں سے تم اُنھیں پہچان سکتے ہو، وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے۔[۷۱۹] (اُن کی مدد کرو) اور (سمجھ لو کہ اِس

---

[۷۱۶] یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی ہے کہ پیغمبر کی حیثیت سے آپ کی ذمہ داری اِس سے زیادہ کچھ نہیں کہ اپنے مخاطبین کو اتمام حجت کے درجے میں اللہ کی ہدایت سے آگاہ کر دیں۔ اِس کے بعد یہ اُن کا کام ہے کہ اُسے قبول کریں یا رد کر دیں۔ آپ کو اِس کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اگر اُسے قبول نہیں کرتے تو اِس کا خمیازہ بھی خود ہی بھگتیں گے۔

[۷۱۷] اصل میں 'لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ' کے الفاظ آئے ہیں۔ اِن میں 'لِلْفُقَرَآءِ' سے پہلے مبتدا بربناے قرینہ حذف ہو گیا ہے۔

[۷۱۸] یہ اُن مہاجرین کی طرف اشارہ ہے جو مدینہ آنے کے بعد کئی برس کے لیے اِس طرح گھر گئے تھے کہ تجارت کے لیے باہر نکلنا بھی اُن کے لیے ممکن نہ تھا، اور انصار کے ساتھ مواخات کا معاملہ بھی ایک حد سے زیادہ نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر ایک چھوٹے سے گاؤں میں معاش کے دوسرے ذرائع تلاش کر لینا بھی آسان نہ تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسی بنا پر اُنھیں مسجد

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اَمۡـوَالَـهُـمۡ بِـالَّيۡـلِ وَالنَّهَـارِ، سِرًّا وَّعَـلَانِيَةً، فَلَهُـمۡ اَجۡرُهُـمۡ عِنۡدَ رَبِّهِـمۡ، وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ﴿۲۷۴﴾

اَلَّذِيۡنَ يَاۡكُلُوۡنَ الرِّبٰوا، لَا يَقُوۡمُوۡنَ اِلَّا كَمَا يَقُوۡمُ الَّذِیۡ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيۡطٰنُ

مقصد کے لیے) جو مال بھی تم خرچ کرو گے، (اُس کا صلہ تمھیں لازماً ملے گا)، اِس لیے کہ اللہ اُسے خوب جانتا ہے۔ جو لوگ شب و روز، علانیہ اور چھپا کر اپنا مال (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں، اُن کا اجر اُن کے پروردگار کے پاس ہے اور (وہاں) کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ کوئی غم کبھی کھائیں گے۔ ۲۷۳-۲۷۴

(اِس کے برخلاف) جو لوگ سود کھاتے ہیں[۷۲۰]، وہ قیامت میں اٹھیں گے تو بالکل اُس شخص کی طرح اٹھیں

میں ٹھیرالیا تھا۔ تاریخ میں یہ لوگ اصحاب صفہ کے نام سے مشہور ہیں۔

[۷۱۹] اِس سے مقصود اُن کے مانگنے کی نفی ہے۔ 'لپٹ کر' کے الفاظ مانگنے والوں کی عام حالت کو ظاہر کرنے کے لیے آئے ہیں۔ کسی چیز کے گھنونے پن کو واضح کرنے کے لیے یہ اسلوب قرآن میں جگہ جگہ اختیار کیا گیا ہے۔ اِس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ مانگتے تو ہیں، مگر لپٹ کر نہیں مانگتے۔

[۷۲۰] اصل میں لفظ 'ربٰو ا' استعمال ہوا ہے۔ اردو زبان میں اِس کے لیے سود کا لفظ مستعمل ہے اور اِس سے مراد وہ معین اضافہ ہے جو ایک قرض دینے والا مقروض سے اپنی اصل رقم پر محض اِس لیے وصول کرتا ہے کہ اُس نے ایک خاص مدت کے لیے اُس کو یہ رقم استعمال کرنے کی اجازت دی ہے۔ یہ قرض کسی غریب اور نادار کو دیا گیا ہو یا کسی کاروباری اور رفاہی اسکیم کے لیے، اِس چیز کو ربا کی حقیقت کے تعین میں کوئی دخل نہیں ہے۔ عربی زبان میں ربا کا اطلاق قرض دینے والے کے مقصد اور مقروض کی نوعیت و حیثیت سے قطع نظر محض اُس معین اضافے ہی پر ہوتا ہے جو کسی قرض کی رقم پر لیا جائے۔ چنانچہ یہ بات سورۂ روم (۳۰) کی آیت ۳۹ میں خود قرآن نے واضح کر دی ہے کہ اُس کے زمانۂ نزول میں سودی قرض زیادہ تر کاروباری لوگوں کے مال میں جا کر بڑھنے کے لیے دیے جاتے تھے۔ اِس کے لیے آیت میں 'لیربوا فی اموال الناس' (اِس لیے کہ وہ دوسروں کے مال میں پروان چڑھے) کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ تعبیر، ظاہر ہے کہ غریبوں کو دیے جانے والے سودی قرضوں کے لیے کسی طرح موزوں نہیں ہے، بلکہ صاف بتاتی ہے کہ اُس زمانے میں سودی قرض بالعموم تجارتی مقاصد کے لیے دیا جاتا تھا اور اِس طرح قرآن کی اِس تعبیر کے مطابق گویا دوسروں کے مال میں پروان چڑھتا تھا۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

مِنَ الْمَسِّ، ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ، وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ
حَرَّمَ الرِّبٰوا. فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى، فَلَهٗ مَا سَلَفَ ، وَاَمْرُهٗٓ اِلَى

گے جسے شیطان نے اپنی چھوت سے پاگل بنا دیا ہو۔[۷۲۱] یہ اِس لیے کہ اُنھوں نے کہا ہے کہ بیع بھی تو آخر سود ہی کی طرح ہے اور تعجب ہے کہ اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام ٹھیرایا ہے۔[۷۲۲] (اِس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ نے اُسے حرام ٹھیرایا ہے)، لہٰذا جسے اُس کے پروردگار کی تنبیہ پہنچی[۷۲۳] اور وہ باز آ گیا تو جو کچھ وہ لے چکا، سو لے چکا،

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ سود کا تعلق صرف اُنھی چیزوں سے ہے جن کا استعمال اُن کی اپنی حیثیت میں اُنھیں فنا کر دیتا اور اِس طرح مقروض کو اُنھیں دوبارہ پیدا کر کے اُن کے مالک کو لوٹانے کی مشقت میں مبتلا کرتا ہے۔ اِس میں شبہ نہیں کہ اِس پر اگر کسی اضافے کا مطالبہ کیا جائے تو یہ عقل و نقل، دونوں کی رو سے ظلم ہے۔ لیکن اِس کے برخلاف وہ چیزیں جن کے وجود کو قائم رکھ کر اُن سے استفادہ کیا جاتا ہے اور استعمال کے بعد وہ جس حالت میں بھی ہوں، اپنی اصل حیثیت ہی میں اُن کے مالک کو لوٹا دی جاتی ہیں، اُن کے استعمال کا معاوضہ کرایہ ہے اور اُس پر، ظاہر ہے کہ کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔

[۷۲۱] اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیاطین کی چھوت بھی اُن اسباب میں سے ہے جن سے آدمی بعض اوقات پاگل ہو جاتا ہے۔ استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اِس کی وضاحت میں لکھا ہے:

’’...نیک بندوں پر تو ارواح خبیثہ کا اثر اِس سے زیادہ نہیں ہوتا کہ اُن کو کوئی اذیت یا آزمایش پیش آ جائے، لیکن جن کی روحیں خود خبیث ہوتی ہیں، جس طرح اُن کا قلب شیطان کی مٹھی میں ہوتا ہے، اِسی طرح کبھی کبھی اُن کے عقل و دماغ، سب پر شیطان کا تسلط ہو جاتا ہے اور وہ ظاہر میں بھی بالکل پاگل ہو کر کپڑے پھاڑتے، گریبان چاک کرتے، منہ پر جھاگ لاتے اور پریشان حال، پراگندہ بال، جدھر سینگ سمائے، اُدھر آوارہ گردی اور خاک بازی کرتے پھرتے ہیں۔‘‘

(تدبر قرآن ۱/۶۳۱)

[۷۲۲] یہ قرآن نے سود خواروں کے قیامت میں پاگلوں کی طرح اٹھنے کی وجہ بتائی ہے کہ وہ اس بات پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں کہ اللہ نے بیع و شرا کو حلال اور سود کو حرام ٹھیرا دیا ہے، دراں حالیکہ اِن دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جب ایک تاجر اپنے سرمایے پر نفع لے سکتا ہے تو ایک سرمایہ دار اگر اپنے سرمایے پر نفع کا مطالبہ کرے تو وہ آخر مجرم کس طرح قرار پاتا ہے؟ قرآن کے نزدیک یہ ایسی پاگل پن کی بات ہے کہ اِس کے کہنے والوں کو جزا اور عمل میں مشابہت کے قانون کے تحت قیامت میں پاگلوں اور دیوانوں کی طرح اٹھنا چاہیے۔

اللّٰهِ ، وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ، هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾ يَمْحَقُ اللّٰهُ

(اُس کے خلاف کوئی اقدام نہ ہوگا) اور اُس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے[۷۲۴]۔ اور جو (اِس تنبیہ کے بعد بھی) اِس کا

استاذ امام سود خواروں کے اِس اظہار تعجب پر تبصرہ کرتے ہوئے اِن آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اِس اعتراض سے یہ بات بالکل واضح ہو کر سامنے آ گئی کہ سود کو بیع پر قیاس کرنے والے پاگلوں کی نسل دنیا میں نئی نہیں ہے، بلکہ بڑی پرانی ہے۔ قرآن نے اِس قیاس کو... لائق توجہ نہیں قرار دیا۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بداہتاً باطل اور قیاس کرنے والے کی دماغی خرابی کی دلیل ہے۔ ایک تاجر اپنا سرمایہ ایک ایسے مال کی تجارت پر لگاتا ہے جس کی لوگوں کو طلب ہوتی ہے۔ وہ محنت، زحمت اور خطرات مول لے کر اُس مال کو اُن لوگوں کے لیے قابل حصول بناتا ہے جو اپنی ذاتی کوشش سے اول تو آسانی سے اُس کو حاصل نہیں کر سکتے تھے اور اگر حاصل کر سکتے تھے تو اُس سے کہیں زیادہ قیمت پر، جس قیمت پر تاجر نے اُن کے لیے مہیا کر دیا۔ پھر تاجر اپنے سرمایہ اور مال کو کھلے بازار میں مقابلے کے لیے پیش کرتا ہے اور اُس کے لیے منافع کی شرح بازار کا اتار چڑھاؤ مقرر کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اِس اتار چڑھاؤ کے ہاتھوں بالکل دیوالیہ ہو کر رہ جائے اور ہو سکتا ہے کہ کچھ نفع حاصل کر لے۔ اِسی طرح اِس معاملے میں بھی اُس کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں کہ وہ ایک بار ایک روپے کی چیز ایک روپے دو آنے یا چار آنے میں بیچ کر پھر اُس روپے سے ایک دھیلے کا بھی کوئی نفع اُس وقت تک نہیں کما سکتا، جب تک اُس کا وہ روپیہ تمام خطرات اور سارے اتار چڑھاؤ سے گزر کر پھر میدان میں نہ اترے اور معاشرے کی خدمت کر کے اپنے لیے استحقاق نہ پیدا کرے۔

بھلا بتائیے کیا نسبت ہے ایک تاجر کے اِس جاں باز، غیور اور خدمت گزار سرمایے سے ایک سود خوار کے اُس سنگ دل، بزدل، بے غیرت اور دشمن انسانیت سرمایے کو جو جوکھم تو ایک بھی برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں، لیکن منافع بٹانے کے لیے سر پر سوار ہو جاتا ہے۔'' (تدبر قرآن ۱/ ۶۳۲)

[۷۲۳] اصل میں 'فمن جاءہ موعظة من ربه' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اِن میں 'موعظة' کے لیے فعل مذکر آیا ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ اِس کی تانیث غیر حقیقی ہے اور غیر حقیقی تانیث کے لیے فعل بعض اوقات لفظ کے مفہوم کے لحاظ سے آ جاتے ہیں۔ مدعا یہ ہے کہ اس بات کو سہل نہیں سمجھنا چاہیے۔ یہ تمھارے پروردگار کی تنبیہ ہے۔ اسے نظر انداز کر دینے کا نتیجہ تمھارے لیے نہایت خطرناک ہو سکتا ہے۔

[۷۲۴] یعنی دنیا میں کوئی اقدام نہیں کیا جائے گا، لیکن آخرت کے حوالے سے معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ اِس کی وجہ یہ

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

الـرِّبٰـوا، وَيُرۡبِی الصَّدَقٰتِ، وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیۡمٍ ﴿۲۷۶﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَـنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ، لَھُمۡ اَجۡرُھُمۡ عِنۡدَ رَبِّھِمۡ، وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡھِمۡ وَلَا ھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۲۷۷﴾

یٰۤـاَیُّھَـا الَّـذِیۡـنَ اٰمَـنُـوا، اتَّقُوا اللّٰہَ، وَذَرُوۡا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا، اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا، فَاۡذَنُوۡا بِحَرۡبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ، وَاِنۡ تُبۡتُمۡ

اعادہ کریں گے تو وہ دوزخ کے لوگ ہیں، وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔[۷۲۵] (اُس دن) اللہ سود کو مٹا دے گا[۷۲۶] اور خیرات کو بڑھائے گا[۷۲۷] اور (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ کسی ناشکرے اور کسی حق تلفی کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ ہاں، جو لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے نیک عمل کیے اور نماز کا اہتمام کیا اور زکوٰۃ ادا کی، اُن کے لیے اُن کا اجر اُن کے پروردگار کے پاس ہے اور اُن کے لیے نہ (وہاں) کوئی اندیشہ ہو گا اور نہ وہ کوئی غم کبھی کھائیں گے۔ ۲۷۵-۲۷۷

ایمان والو، اگر تم سچے مومن ہو تو اللہ سے ڈرو اور جتنا سود باقی رہ گیا ہے، اُسے چھوڑ دو۔ لیکن اگر تم

ہے کہ آخرت کی پکڑ سے بچنے کے لیے اتنی بات کافی نہیں ہے کہ آدمی نے سود لینا چھوڑ دیا۔ وہاں تو اللہ تعالیٰ یہ بھی دیکھیں گے کہ اِس موقع پر دل کی حالت کیا رہی اور پچھلے مظالم کی تلافی کے لیے کیا کچھ کیا گیا۔

[۷۲۵] اِس سزا کی وجہ یہ ہے کہ اُن کا یہ رویہ اِس بات کا واضح ثبوت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اِس حکم کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ صریح کفر ہے اور اِس کی سزا وہی ہونی چاہیے جو کافروں کے لیے مقرر ہے۔

[۷۲۶] یعنی سود خواروں کے لیے قیامت میں صرف حسرت و ندامت ہو گی۔ وہ دیکھیں گے کہ دنیا میں اُن کے لاکھوں وہاں ایک کوڑی بھی نہیں رہے۔

[۷۲۷] ترمذی کی ایک روایت (رقم ۶۶۲) کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کی وضاحت اِس طرح فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ صدقے کو قبول کرتا اور اُسے اپنے داہنے ہاتھ سے لیتا ہے۔ پھر وہ تمھارے لیے اِس طرح اُس کی پرورش کرتا ہے، جس طرح تم میں سے کوئی اپنے بچھڑے کی پرورش کرتا ہے، یہاں تک کہ تمھارا دیا ہوا ایک لقمہ اللہ کے ہاں احد پہاڑ بن جاتا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

فَلَکُمۡ رُءُوۡسُ اَمۡوَالِکُمۡ، لَا تَظۡلِمُوۡنَ وَلَا تُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۷۹﴾ وَاِنۡ کَانَ ذُوۡعُسۡرَۃٍ فَنَظِرَۃٌ اِلٰی مَیۡسَرَۃٍ، وَاَنۡ تَصَدَّقُوۡا خَیۡرٌلَّکُمۡ، اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۸۰﴾ وَاتَّقُوۡا

نے ایسا نہیں کیا تو اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے جنگ کے لیے خبردار ہو جاؤ۔[۷۲۸] اور اگر توبہ کر لو تو اصل رقم کا تمھیں حق ہے۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو گے، نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔ اور مقروض تنگ دست ہو تو ہاتھ کھلنے تک اُسے مہلت دو اور اگر تم بخش دو تو یہ تمھارے لیے بہتر ہے، اگر تم سمجھتے ہو۔[۷۲۹] اور اُس دن سے ڈرو،

---

[۷۲۸] اِس کی نوعیت بالکل الٹی میٹم کی ہے، یعنی جو لوگ اب بھی اِس حکم کو نہیں مانیں گے، اُن کے خلاف بغاوت کے جرم میں فوجی کارروائی کی جائے گی۔ اِس سے معلوم ہوا کہ سود خواری پر اصرار ایسا جرم ہے کہ اِس کا ارتکاب کرنے والوں کو محاربین قرار دے کر اُن کے خلاف کارروائی کی جا سکتی ہے۔

[۷۲۹] یہ آیت اِس بات کی مزید دلیل ہے کہ قرآن کے زمانۂ نزول میں قرض زیادہ تر تجارتی اور کاروباری مقاصد ہی کے لیے دیا جاتا تھا۔ استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اِس کی تفسیر میں لکھا ہے:

”اِس زمانے میں بعض کم سواد یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ عرب میں زمانۂ نزولِ قرآن سے پہلے جو سود رائج تھا، یہ صرف مہاجنی سود تھا۔ غریب اور نادار لوگ اپنی ناگزیر ضروریاتِ زندگی حاصل کرنے کے لیے مہاجنوں سے قرض لینے پر مجبور ہوتے تھے اور یہ مہاجن اُن مظلوموں سے بھاری بھاری سود وصول کرتے تھے۔ اِسی سود کو قرآن نے ربا قرار دیا ہے اور اِسی کو یہاں حرام ٹھیرایا ہے۔ رہے یہ تجارتی کاروباری قرضے جن کا اِس زمانے میں رواج ہے تو اِن کا اُس زمانے میں نہ دستور تھا، نہ اِن کی حرمت و کراہت سے قرآن نے کوئی بحث کی ہے۔

اِن لوگوں کا نہایت واضح جواب خود اِس آیت کے اندر ہی موجود ہے۔ جب قرآن یہ حکم دیتا ہے کہ اگر قرض دار تنگ دست (ذو عسرۃ) ہو تو اُس کو کشادگی (میسرۃ) حاصل ہونے تک مہلت دو تو اِس آیت نے گویا پکار کر یہ خبر دے دی کہ اُس زمانے میں قرض لینے والے امیر اور مال دار لوگ بھی ہوتے تھے۔ بلکہ یہاں اگر اسلوبِ بیان کا صحیح صحیح حق ادا کیجیے تو یہ بات نکلتی ہے کہ قرض کے لین دین کی معاملت زیادہ تر مال داروں ہی میں ہوتی تھی، البتہ امکان اِس کا بھی تھا کہ کوئی قرض دار تنگ حالی میں مبتلا ہو کہ اُس کے لیے مہاجن کی اصل رقم کی واپسی بھی ناممکن ہو رہی ہو تو اُس کے متعلق یہ ہدایت ہوئی کہ مہاجن اُس کو اُس کی مالی حالت سنبھلنے تک مہلت دے اور اگر اصل بھی معاف کر دے تو یہ بہتر ہے۔ اِس معنی کا اشارہ آیت کے الفاظ سے نکلتا ہے، اِس لیے کہ فرمایا ہے کہ: 'ان کان ذو عسرة فنظرة الی میسرة' (اگر قرض دار تنگ حال ہو تو

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ، ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ، وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾

جب اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پھر ہر شخص کو اُس کی کمائی وہاں پوری مل جائے گی اور لوگوں پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔ ۲۷۸-۲۸۱

اُس کو کشادگی حاصل ہونے تک مہلت دی جائے)۔ عربی زبان میں 'اِن' کا استعمال عام اور عادی حالات کے لیے نہیں ہوتا، بلکہ بالعموم نادر اور شاذ حالات کے بیان کے لیے ہوتا ہے۔ عام حالات کے بیان کے لیے عربی میں 'اِذَا' ہے۔ اِس روشنی میں غور کیجیے تو آیت کے الفاظ سے یہ بات صاف نکلتی ہے کہ اُس زمانے میں عام طور پر قرض دار 'ذو میسرۃ' (خوش حال) ہوتے تھے، لیکن گاہ گاہ ایسی صورت بھی پیدا ہو جاتی تھی کہ قرض دار غریب ہو یا قرض لینے کے بعد غریب ہو گیا ہو تو اُس کے ساتھ اِس رعایت کی ہدایت فرمائی۔'' (تدبر قرآن ۱/۶۳۸)

اِس کے بعد اُنھوں نے اپنی اِس بحث کا نتیجہ اِس طرح بیان کیا ہے:

''ظاہر ہے کہ مال دار لوگ اپنی ناگزیر ضروریاتِ زندگی کے لیے مہاجنوں کی طرف رجوع نہیں کرتے رہے ہوں گے، بلکہ وہ اپنے تجارتی مقاصد ہی کے لیے قرض لیتے رہے ہوں گے۔ پھر اُن کے قرض اور اِس زمانے کے اِن قرضوں میں جو تجارتی اور کاروباری مقاصد سے لیے جاتے ہیں، کیا فرق ہوا؟'' (تدبر قرآن ۱/۶۳۹)

[باقی]

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جماعت میں تاخیر سے شمولیت

[اس روایت کی ترتیب و تدوین اور شرح و وضاحت جناب جاوید احمد غامدی کی رہنمائی میں ان کے رفقا معز امجد، منظور الحسن، محمد اسلم نجمی اور کوکب شہزاد نے کی ہے۔]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

رُوي أن رسـول الـلّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إذا جئتم إلى الصلاة ونـحن سجود فاسجدوا ولا تعدوها شيئا[2] ومن أدرك ركعة من الصلاة مع الإمام[3] قبـل أن يقيم الإمام صلبه[4] فـقد أدرك الصلاة[5] إلا أنـه يقضي ما فاته[6].

روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم (جماعت کے ساتھ) نماز پڑھنے کے لیے آؤ اور ہم سجدے میں ہوں تو تم بھی سجدہ کرو، مگر اسے (رکعت) شمار نہ کرو[1]۔

جو شخص نماز کی کسی رکعت میں امام کے (رکوع سے) اٹھنے سے پہلے شامل ہوا، اس نے نماز باجماعت (کی وہ رکعت) پالی، (البتہ) اس کے علاوہ دوسری چھوٹ جانے والی رکعتیں اسے (امام کے سلام پھیر لینے کے بعد) پوری کرنی ہوں گی[2]۔

ترجمے کے حواشی

۱۔ سجدے کے موقع پر جماعت میں شامل ہونے سے رکعت شمار نہیں ہوگی، تاہم اس کے باوجود بہتر یہی ہے کہ نمازی امام کے اٹھنے کا انتظار کرنے کے بجائے سجدے ہی میں اس کے ساتھ شامل ہو جائے اور اس اضافی سجدے کو اپنے لیے باعث شرف و افتخار سمجھے۔

۲۔ جمعہ سمیت تمام نمازوں میں یہی طریقہ ملحوظ رکھا جائے گا۔

متن کے حواشی

۱۔ اپنی اصل کے اعتبار سے یہ مسلم کی روایت، رقم ۶۰۷ ہے۔ بعض اختلافات کے ساتھ یہ حسب ذیل مقامات پر نقل ہوئی ہے:

بخاری، رقم ۵۵۵۔ ترمذی، رقم ۵۲۴۔ نسائی، رقم ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۱۴۲۵۔ ابو داؤد، رقم ۸۹۳، ۱۱۲۱۔ ابن ماجہ، رقم ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳۔ موطا، رقم ۱۵، ۲۳۸۔ دارمی، رقم ۱۲۲۰، ۱۲۲۱۔ احمد بن حنبل، رقم ۶۵۲۷، ۷۵۲۷، ۸۸۷۰۔ ابن حبان، رقم ۱۴۸۳، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷۔ ابن خزیمہ، رقم ۱۵۹۵، ۱۶۲۲، ۱۸۴۸، ۱۸۴۹، ۱۸۵۰، ۱۸۵۱۔ سنن الکبریٰ، رقم ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۹، ۱۵۴۱، ۱۷۴۱، ۱۷۴۲۔ بیہقی، رقم ۱۶۸۴، ۲۴۰۷، ۲۴۰۸، ۵۵۲۲، ۵۵۲۳، ۵۵۲۴، ۵۵۲۵، ۵۵۲۶، ۵۵۲۷، ۵۵۲۸، ۵۵۳۱۔ مسند ابو یعلیٰ، رقم ۲۶۲۵، ۵۹۶۲، ۵۹۶۶، ۵۹۶۷، ۵۹۸۸، حمیدی، رقم ۹۴۶۔

۲۔ 'اذا جئتم الی الصلاۃ ونحن سجود فاسجدوا ولا تعدوھا شیئا' (اگر تم اس وقت نماز پڑھنے کے لیے آؤ جب ہم سجدے میں ہوں تو تم بھی سجدہ کرو اور اسے رکعت شمار نہ کرو) کے الفاظ ابو داؤد، رقم ۸۹۳ سے لیے گئے ہیں۔

۳۔ 'مع الامام' (امام کے ساتھ) کے الفاظ مسلم، رقم ۶۰۷ میں تو روایت ہوئے ہیں، مگر بیش تر روایتوں مثلاً بخاری، رقم ۵۵۵ میں یہ نقل نہیں ہوئے۔

۴۔ 'قبل ان یقیم الامام صلبه' (اس سے پہلے کہ امام اپنی کمر رکوع سے اٹھا لے) کے الفاظ ابن خزیمہ، رقم ۱۵۹۵ سے لیے گئے ہیں۔ ان سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص رکوع میں شامل ہو تو اس کی رکعت شمار ہوگی۔

۵۔بعض روایات میں 'فقد ادرك الصلاة' (تو اس نے نماز پالی) کے الفاظ کی جگہ 'فقد ادرك الصلاة كلها' (تو اس نے پوری نماز پالی) کے الفاظ نقل ہوئے ہیں۔نسائی، رقم ۵۵۷ میں یہی بات 'فقد تمت صلاته' (تو اس نے اپنی نماز مکمل کرلی) کے الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔

۶۔'الا انه يقضي ما فاته' (سوائے اس کے کہ وہ چھوٹ جانے والی نماز پوری کرے) کے الفاظ نسائی، رقم ۵۵۸ سے لیے گئے ہیں۔ابن ماجہ، رقم ۱۱۲۱ میں 'فليصل اليها اخرى' (تو اسے چاہیے کہ وہ چھوٹ جانے والی رکعتیں مکمل کرے) کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے، جبکہ ابن حبان، رقم ۱۴۷۶ میں یہ بات 'وليتم ما بقي' (اور اسے چاہیے کہ وہ باقی نماز پوری کرے) کے الفاظ میں نقل ہوئی ہے۔

اس سے واضح ہے کہ جمعہ اور جماعت کے ساتھ پڑھی جانے والی دیگر نمازوں کے لیے یہی طریقہ اختیار کیا جائے گا۔چنانچہ اس موضوع کی بعض روایات نماز جمعہ کی تخصیص کے ساتھ نقل ہوئی ہیں:

روي أنه قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أدرك من صلاة الجمعة ركعة فقد أدرك. (نسائی، رقم ۱۴۲۵)

''روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے جمعہ کی ایک رکعت پالی، اس نے اس (نماز) کو پالیا۔''

روي أنه قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أدرك من الجمعة ركعة فليصل إليها أخرى فإن أدركهم جلوسا صلى أربعا. (بخاری، رقم ۵۵۲۷)

''روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے جمعہ کی ایک رکعت پالی، اسے چاہیے کہ وہ (امام کے سلام پھیرنے کے بعد) چھوٹ جانے والی رکعت مکمل کرے۔(البتہ)، اگر وہ قعدے میں شامل ہوا ہے تو پھر اسے (ظہر کی) چار رکعتیں پڑھنی چاہییں۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

جاوید احمد غامدی

قانون عبادات

(۵)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

نماز کے اذکار

نماز کے اذکار درج ذیل ہیں:

نماز شروع کرتے ہوئے 'اللّٰه أکبر' کہا جائے،

قیام میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت کی جائے، پھر اپنی سہولت کے مطابق باقی قرآن کے کچھ حصے کی تلاوت کی جائے،

رکوع میں جاتے ہوئے 'اللّٰه أکبر' کہا جائے،

رکوع سے اٹھتے ہوئے 'سمع اللّٰه لمن حمده' کہا جائے،

سجدوں میں جاتے اور اُن سے اٹھتے ہوئے 'اللّٰه أکبر' کہا جائے،

قعدے سے قیام کے لیے اٹھتے ہوئے بھی 'اللّٰه أکبر' کہا جائے،

نماز ختم کرنے کے لیے دائیں اور بائیں منہ پھیرتے وقت: 'السلام علیکم و رحمة اللّٰه' کہا جائے۔

'اللّٰه أکبر'، 'سمع اللّٰه لمن حمده' اور 'السلام علیکم و رحمة اللّٰه' امام ہمیشہ بالجہر، یعنی بلند آواز سے کہے گا۔ مغرب اور عشا کی پہلی دو رکعتوں میں، اور فجر، جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں قرأت بھی بلند آواز سے کی جائے گی۔ مغرب کی تیسری، اور عشا کی تیسری اور چوتھی رکعت میں یہ ہمیشہ سری ہوگی۔ ظہر اور عصر کی نمازوں میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا

جائے گا۔

نماز کے لیے شریعت کے مقرر کردہ اذکار یہی ہیں۔ اِن کی زبان عربی ہے اور نماز کے اعمال ہی کی طرح یہ بھی اجماع اور تواترِ عملی سے ثابت ہیں۔ اِن کے علاوہ نماز پڑھنے والا جس زبان میں چاہے، تسبیح وتحمید اور دعا ومناجات کی نوعیت کا کوئی ذکر اپنی نماز میں کر سکتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس باب میں جو کچھ فرمایا ہے اور آپ کے جو مختارات روایتوں میں نقل ہوئے ہیں، وہ ایک مناسب ترتیب کے ساتھ ہم یہاں بیان کیے دیتے ہیں۔

قیام میں

۱۔ نماز کی پہلی رکعت میں تکبیر کے بعد اور قرأت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کوئی دعا کرتے اور کبھی اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتے تھے۔

ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد اور قرأت سے پہلے آپ تھوڑی دیر کے لیے خاموش کھڑے رہتے تھے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ جب تکبیر اور قرأت کے مابین خاموش ہوتے ہیں تو کیا کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں یہ دعا کرتا ہوں:

اللهم باعد بيني وبين خطاياي كما باعدت بين المشرق والمغرب، اللهم نقني من الخطايا كما ينقى الثوب الأبيض من الدنس، اللهم اغسل خطاياي بالماء والثلج والبرد.[۱۰۰]

''اے اللہ، تو مجھے میرے گناہوں سے اِس طرح دور کر دے، جس طرح تو نے مشرق ومغرب کو ایک دوسرے سے دور کیا ہے۔ اے اللہ، تو مجھے گناہوں سے ایسا پاک کر دے، جیسے سفید کپڑا میل سے پاک کیا جاتا ہے۔ اے اللہ، تو میرے گناہوں کو پانی اور برف اور اولوں سے دھو دے۔''

سیدنا علی کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے تو تکبیر کے بعد اِس طرح کہتے تھے:

وجهت وجهي للذى فطر السموت والأرض حنيفاً وما أنا المشركين، إن صلاتي ونسكي ومحياي ومماتي لله رب العلمين، لا شريك له وبذلك أمرت وأنا أول المسلمين. اللهم أنت الملك، لا إله إلا أنت، أنت ربي وأنا عبدك، ظلمت نفسي، واعترفت بذنبي، فاغفر لي ذنوبي جميعاً، إنه لا يغفر الذنوب إلا أنت، واهدني لأحسن الأخلاق، لا يهدي لأحسنها إلا أنت، واصرف عني سيئها، لا يصرف عني

۱۰۰؎ بخاری، رقم ۷۱۱۔ مسلم، رقم ۵۹۸۔

سيئها إلا أنت، لبيك و سعديك، و الخير كله في يديك، و الشر ليس إليك، أنا بك و إليك، تباركت و تعاليت، أستغفرك و أتوب إليك.[101]

''میں نے تو اپنا رخ بالکل یک سو ہوکر اس ہستی کی طرف کرلیا ہے جس نے زمین وآسمان کو پیدا کیا ہے اور میں ہرگز مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ میری نماز اور میری قربانی، میرا جینا اور مرنا سب اللہ پروردگار عالم کے لیے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔ اے اللہ، تو بادشاہ ہے، تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ تو میرا پروردگار ہے اور میں تیرا بندہ ہوں۔ میں نے اپنی جان پر ظلم ڈھایا ہے اور اب اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں۔ پس تو میرے سب گناہ بخش دے، اس میں شبہ نہیں کہ گناہوں کو تو ہی بخشتا ہے۔ اور مجھے اچھے اخلاق کی ہدایت عطا فرما، ان کی ہدایت بھی تو ہی دیتا ہے۔ اور برے اخلاق کو مجھ سے دور کردے، ان کو دور بھی مجھ سے تو ہی کرے گا۔ میں حاضر ہوں، پروردگار، تیرا حکم بجالانے کے لیے پوری طرح تیار ہوں۔ تمام بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے اور برائی کی نسبت تیری طرف نہیں ہے۔ میں تیری قوت سے قائم ہوں اور مجھے لوٹنا بھی تیری ہی طرف ہے۔ تو برکت والا ہے، بلند ہے۔ میں تجھ سے مغفرت مانگتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔''

ام المومنین سیدہ عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی ابتدا ان کلمات سے کرتے تھے:

سبحنك اللهم و بحمدك، و تبارك اسمك و تعالى جدك، و لا إله غيرك.[102]

''اے اللہ، تو پاک ہے اور ستودہ صفات بھی۔ تیرا نام بڑی برکت والا ہے، تیری شان بڑی بلند ہے، اور تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔''

ام المومنین ہی کی روایت ہے کہ رات کی نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم اِس دعا سے شروع کرتے تھے:

اللهم، رب جبرائيل و ميكائيل و إسرافيل، فاطر السموت و الأرض، عالم الغيب و الشهادة، أنت تحكم بين عبادك فيما كانوا فيه يختلفون. اهدني لما اختلف فيه من الحق بإذنك، إنك تهدي من تشاء إلى صراط مستقيم.[103]

''اے اللہ، جبریل و میکائیل اور اسرافیل کے پروردگار، زمین وآسمان کے پیدا کرنے والے، غیب وحضور کے جاننے والے، تو اپنے بندوں کے مابین اُن کے اختلافات کا فیصلہ فرمائے گا۔ حق کے معاملے میں جتنے اختلافات ہیں، تو اپنی توفیق سے اُن میں میری رہنمائی فرما۔ اِس میں شبہ نہیں کہ تو جس کو چاہتا ہے، (اپنے قانون کے مطابق) سیدھی راہ کی ہدایت

---

[101] مسلم، رقم ۱۷۷۱۔

[102] ابوداؤد، رقم ۷۷۶۔

[103] مسلم، رقم ۱۷۷۰۔

بخشتا ہے۔‘‘

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے لیے کھڑے ہوتے تو یہ دعا کرتے تھے:

اللهم، لك الحمد. أنت قيِم السموات والأرض ومن فيهن ولك الحمد. لك ملك السموات والأرض ومن فيهن، ولك الحمد. أنت نور السموات والأرض، ومن فيهن ولك الحمد. أنت ملك السموات والأرض، ولك الحمد. أنت الحق، ووعدك الحق، ولقاؤك حق، وقولك حق، والجنة حق، والنار حق، والنبيون حق، ومحمد حق، والساعة حق. اللهم، لك أسلمت، وبك آمنت، وعليك توكلت، وإليك أنبت، وبك خاصمت، وإليك حاكمت، فاغفر لي ما قدمت وما أخرت، وما أسررت وما أعلنت. أنت المقدم وأنت المؤخر، لا إله إلا أنت، ولا حول ولا قوة إلا بالله.[١٠٤]

’’اے اللہ، حمد تیرے لیے ہے۔ تو زمین وآسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز کا قائم رکھنے والا ہے اور حمد تیرے لیے ہے۔ زمین وآسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز کی بادشاہی تیرے لیے ہے اور حمد تیرے لیے ہے۔ تو زمین وآسمان کی روشنی ہے اور حمد تیرے لیے ہے۔ تو زمین وآسمان کا بادشاہ ہے اور حمد تیرے لیے ہے۔ تو حق ہے، اور تیرا وعدہ حق ہے، اور تیری ملاقات حق ہے، اور تیرا کلام حق ہے، اور جنت حق ہے، اور دوزخ حق ہے، اور سارے نبی حق ہیں، اور محمد حق ہیں، اور قیامت حق ہے۔ اے اللہ، میں نے تیرے لیے سر اطاعت جھکا دیا، اور تجھے مان لیا، اور تجھ پر بھروسا کیا، اور تیری طرف رجوع کیا، اور تجھے ساتھ لے کر تیرے دشمنوں سے لڑا، اور تیرے ہی پاس اپنی فریاد لایا۔ تو بخش دے جو کچھ میں نے آگے بھیجا اور پیچھے چھوڑا ہے، اور جو کچھ چھپایا اور جو کچھ علانیہ کیا ہے۔ تو ہی آگے کرنے والا ہے اور تو ہی پیچھے کرنے والا ہے۔ تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں اور ہمت اور قدرت، سب اللہ ہی کی عنایت سے ہے۔‘‘

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اِن کے علاوہ بھی استفتاح کی بعض دعائیں اور اذکار روایتوں میں نقل ہوئے ہیں۔ اِس طرح یہ بات بھی نقل ہوئی ہے کہ اِسی نوعیت کے بعض کلمات نماز کی ابتدا میں بعض لوگوں کی زبان سے نکلے تو آپ نے ان کی تحسین کی اور فرمایا کہ ان کے لیے آسمان کے دروازے کھولے گئے اور میں نے بارہ فرشتوں کو دیکھا کہ ان میں سے ہر ایک انھیں لے جانے کے لیے ایک دوسرے سے سبقت کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔[١٠٥]

۲۔ اِن دعاؤں کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے تعوذ کرتے تھے۔ یہ بالعموم 'أعوذ بالله السميعِ

١٠٤؎ بخاری، رقم ١٠٦٩۔

١٠٥؎ مسلم، رقم ٦٠٠۔

العليم من الشيطن الرجيم، من همزه و نفخه و نفثه' کے الفاظ میں ہوتا تھا۔[106]

۳۔ سورۂ فاتحہ کی تلاوت اِس کے بعد 'الحمد للّٰہ رب العٰلمین' سے شروع کرتے[107] اور ہر آیت پر وقف کر کے اسے الگ الگ پڑھتے تھے۔[108]

آپ کا ارشاد ہے:

''جس نے فاتحہ نہیں پڑھی، اُس نے گویا نماز نہیں پڑھی۔[109]''

''فاتحہ کے بغیر نماز ناتمام ہے، ناتمام ہے، وہ پوری نہیں ہوتی۔[110]''

''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے نماز اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھوں آدھ تقسیم کر دی ہے اور اُس میں بندہ جو کچھ مانگتا ہے، وہ پاتا ہے۔ چنانچہ وہ جب 'الحمد للّٰہ رب العٰلمین' کہتا ہے تو اللہ فرماتے ہیں: میرے بندے نے میری حمد کی ہے، اور جب 'الرحمٰن الرحیم' کہتا ہے تو اللہ فرماتے ہیں: میرے بندے نے میری ثنا کی ہے، اور جب 'ملك یوم الدین' کہتا ہے تو اللہ فرماتے ہیں: یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے، اور بندہ جو کچھ مانگتا ہے، وہ پالے گا۔ پھر جب وہ 'اھدنا الصراط المستقیم، صراط الذین أنعمت علیهم، غیر المغضوب علیهم ولا الضالین' کہتا ہے تو اللہ فرماتے ہیں: یہ ہے جو میرے بندے کے لیے ہے اور بندے نے جو کچھ مانگا ہے، وہ میں نے اُسے بخش دیا ہے۔[111]''

۴۔ سورۂ فاتحہ کے بعد قرآن کا جو حصہ پڑھتے، وہ طویل بھی ہوتا تھا اور حالات کے لحاظ سے بہت مختصر بھی۔[112] فرماتے تھے: میں اس ارادے سے نماز شروع کرتا ہوں کہ لمبی پڑھوں گا، پھر کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اس کے رونے پر اس کی ماں کی پریشانی کے خیال سے اسے مختصر کر دیتا ہوں۔[113]

قرأت ترتیل کے ساتھ کرتے، اس طرح کہ ہر حرف بالکل واضح ہوتا تھا۔[114] لوگوں کو تلقین فرماتے تھے کہ تلاوت اچھی آواز

---

[106] ابوداؤد، رقم ۷۷۵۔ ''میں شیطان مردود کے وسوسوں، اس کی پھونکوں اور اس کے الہام سے اللہ، سمیع وعلیم کی پناہ مانگتا ہوں۔''

[107] مسلم، رقم ۴۹۸۔

[108] ترمذی، رقم ۲۹۲۷۔

[109] بخاری، رقم ۷۲۳۔

[110] مسلم، رقم ۳۹۵۔

[111] مسلم، رقم ۳۹۵۔

[112] احمد، رقم ۱۳۷۲۶۔

[113] بخاری، رقم ۶۷۵۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سے اور غنا کے ساتھ کرنی چاہیے۔[115] روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قرأت کے دوران میں آپ قرآن کا جواب بھی دیتے تھے۔ چنانچہ تسبیح کے حکم پر تسبیح کرتے،[116] سجدہ کی آیتوں پر سجدہ کرتے،[117] رحمت کی آیتوں پر رحمت اور عذاب کی آیتوں پر اللہ کی پناہ چاہتے[118] اور دعاؤں کے مضمون پر 'آمین' کہتے تھے۔[119]

نماز تہجد کی آخری رکعت میں قرأت کے بعد بھی بالعموم دعائیں کرتے تھے۔[120] اِنھیں قنوت کی دعائیں کہا جاتا ہے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو آپ نے ایک دعا اِسی مقصد کے لیے اِن الفاظ میں سکھائی ہے:

اللهم، اهدني فيمن هديت ، وعافني فيمن عافيت ، وتولني فيمن توليت، وبارك لي فيما أعطيت، وقني شر ما قضيت، فإنك تقضي ولا يقضى عليك، وإنه لا يذل من واليت، تباركت ربنا، وتعاليت.[121]

''اے اللہ، مجھے ان لوگوں میں شامل کر کے ہدایت دے جنھیں تو نے ہدایت دی ہے؛ اور ان لوگوں میں شامل کر کے عافیت دے جنھیں تو نے عافیت دی ہے؛ اور ان میں شامل کر کے دوست بنا جنھیں تو نے دوست بنایا ہے؛ اور ان چیزوں میں برکت دے جو تو نے مجھے عطا فرمائی ہیں؛ اور ان چیزوں کے شر سے بچا جو تو نے میرے لیے طے کر دی ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ تو حکم لگاتا ہے اور تجھ پر کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا؛ اور اس میں شبہ نہیں کہ جسے تو دوست بنا لے، وہ کبھی ذلیل نہیں ہوتا۔ بہت بزرگ، بہت فیض رساں ہے تیری ذات، اے ہمارے پروردگار اور بہت بلند بھی۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اِسی نوعیت کی ایک دعا یہ بھی ہے:

اللهم ، إنا نستعينك ونستغفرك ،ونؤمن بك ونتو كل عليك، ونثني عليك الخير كله، ونشكرك ولا نكفرك ، ونخلع ونترك من يفجرك ، اللهم إياك نعبد، ولك نصلي ونسجد، وإليك نسعى ونحفد ، نرجو رحمتك ، ونخشى عذابك ، إن عذابك

---

[114] ابوداؤد، رقم ۱۴۶۶۔

[115] ابوداؤد، رقم ۱۴۶۸، ۱۴۶۹۔ ابن ماجہ، رقم ۱۳۳۷۔

[116] مسلم، رقم ۷۷۲۔

[117] بخاری، رقم ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۴۔

[118] ابوداؤد، رقم ۸۷۱۔

[119] ابوداؤد، رقم ۹۳۶۔

[120] ابوداؤد، رقم ۱۴۲۷۔

[121] ابوداؤد، رقم ۱۴۲۵۔

بالکفار ملحق.[122]

''اے اللہ، ہم تیری مدد چاہتے اور تجھ سے مغفرت مانگتے ہیں۔ اور تجھ پر ایمان لاتے، تجھ پر بھروسا کرتے اور ہر لحاظ سے تیری بہترین ثنا کرتے ہیں۔ ہم تیرا شکر کرتے ہیں، اور کبھی ناشکری نہیں کرتے؛ اور تیری نافرمانی کرنے والوں سے الگ رہتے اور انھیں چھوڑ دیتے ہیں۔ اے اللہ، ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تیرے ہی لیے نماز پڑھتے اور تجھے ہی سجدہ کرتے ہیں؛ اور ہماری سب دوڑ دھوپ بھی تیرے ہی لیے ہے۔ ہم تیری رحمت چاہتے اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ تیرا یہ عذاب تیرے منکروں کو ہر حال میں آ لے گا۔''

رکوع میں

رکوع کی حالت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی تلاوت سے منع فرمایا[123] اور لوگوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ اس کے بجائے اپنے پروردگار کی عظمت بیان کریں۔[124] چنانچہ آپ بھی اِس میں کبھی 'سبحان ربي العظيم' (پاک ہے میرا پروردگار، بڑی عظمت والا) کی تکرار کرتے،[125] اور کبھی ذیل کے اذکار میں سے کوئی ذکر کرتے تھے:

سبوح، قدوس، رب الملائكة والروح.[126]

''ہر عیب اور برائی سے پاک، روح الامین اور فرشتوں کا پروردگار۔''

سبحنك، اللهم ربنا، وبحمدك، اللهم اغفرلي.[127]

''اے اللہ، اے ہمارے پروردگار، تو پاک ہے اور ستودہ صفات بھی۔ اے اللہ، تو مجھے بخش دے۔''

اللهم لك ركعت، وبك آمنت، ولك أسلمت، وعليك توكلت . أنت ربي، خشع سمعي وبصري ودمي ولحمي وعظمي وعصبي لله رب العلمين.[128]

''اے اللہ، میں نے تیرے ہی لیے رکوع کیا، اور تجھ ہی پر ایمان لایا، اور اپنے آپ کو تیرے ہی حوالے کیا، اور تجھ ہی پر بھروسا کیا۔ تو میرا پروردگار ہے، میرے کان اور میری آنکھیں، اور میرا خون اور میرا گوشت، اور میری ہڈیاں اور میرے

---

۱۲۲ طحاوی، رقم ۱۳۷۰۔

۱۲۳ مسلم، رقم ۴۸۰۔

۱۲۴ مسلم، رقم ۴۷۹۔

۱۲۵ ابوداؤد، رقم ۸۷۴۔

۱۲۶ مسلم، رقم ۴۸۷۔

۱۲۷ بخاری، رقم ۷۶۱۔

۱۲۸ نسائی، رقم ۱۰۵۱۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

پیچھے، سب اللہ پروردگار عالم کے حضور میں عجز گزار ہیں۔''

رات کی نماز میں آپ نے رکوع کی حالت میں یہ الفاظ بھی کہے ہیں:

سبحان ذي الجبروت، ولملكوت، والكبرياء والعظمة.[۱۲۹]

''پاک ہے وہ ذات جو قہر وتصرف، اور بڑائی اور عظمت کی مالک ہے۔''

قومہ میں

رکوع کے بعد جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے تو 'سمع اللّٰه لمن حمده' کے بعد کبھی 'ربنا، لك الحمد' (پروردگار، حمد تیرے ہی لیے ہے) اور کبھی 'ربنا، ولك الحمد' (پروردگار، اور حمد تیرے ہی لیے ہے) کہتے اور کبھی اِس کے شروع میں لفظ 'اللهم' (اے اللہ) کا اضافہ کر دیتے تھے۔[۱۳۰] 'ربنا، ولك الحمد' کے بعد درج ذیل الفاظ کا اضافہ بھی بعض روایتوں میں نقل ہوا ہے:

ملء السموات والأرض، وملء ماشئت من شيء بعد، أهل الشنا والمجد، أحق ما قال العبد، وكلنا لك العبد. اللهم لا مانع لما أعطيت، ولا معطي لما منعت، ولا ينفع ذالجد منك الجد.[۱۳۱]

''اتنی کہ اس سے زمین وآسمان بھر جائیں، اور اس کے بعد جو تو چاہے، وہ بھی بھر جائے۔ ثنا تیرے لیے ہے اور بزرگی بھی تیرے ہی لیے ہے۔ بندوں کی اس بات کے لیے تو ہی احق ہے اور ہم سب تیرے ہی بندے ہیں۔ اے اللہ، جسے تو دے، اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جسے تو روک دے، اسے کوئی دینے والا نہیں ہے؛ اور تیری گرفت سے بچنے کے لیے کسی کی عظمت اور بزرگی اسے کوئی فائدہ نہیں دیتی۔''

یہ اضافہ اس سے کم وبیش الفاظ میں بھی نقل کیا گیا ہے[۱۳۲] اور رات کی نماز میں اس موقع پر 'لربي الحمد' (حمد میرے پروردگار ہی کے لیے ہے) کے الفاظ بھی روایت ہوئے ہیں۔[۱۳۳] اسی طرح یہ بات بھی روایت ہوئی ہے کہ نماز کی آخری رکعت کے قومے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر بعض لوگوں کے لیے کم وبیش ایک ماہ تک نام لے کر دعا اور بعض کے لیے بددعا بھی کی ہے۔ اس کی صورت یہ بیان کی گئی ہے کہ ہاتھ اٹھائے ہوئے آپ بلند آواز سے دعا کر رہے تھے اور لوگ آپ

۱۲۹؎ ابوداؤد، رقم ۸۷۳۔

۱۳۰؎ بخاری، رقم ۷۰۲، ۷۵۶، ۴۲۸۴۔

۱۳۱؎ مسلم، رقم ۷۷۴۔

۱۳۲؎ ابوداؤد، رقم ۷۶۰۔

۱۳۳؎ ابوداؤد، رقم ۸۷۴۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کے پیچھے آمین کہہ رہے تھے۔[۱۳۴]

آپ کا ارشاد ہے: امام جب 'سمع الله لمن حمده' کہے تو اُس کے جواب میں 'اللهم ، ربنا لك الحمد' کہو، اس لیے کہ جس کی یہ بات فرشتوں کی بات سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے، اس کے پچھلے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔[۱۳۵]

صحابۂ کرام میں سے کسی شخص نے اس کے بعد 'حمداً اکثیراً طیباً مبارکاً فیه' (بہت زیادہ حمد، پاکیزہ اور بڑی بابرکت) کے الفاظ کہے تو آپ نے فرمایا: میں نے تیس سے زیادہ فرشتوں کو دیکھا ہے کہ ان الفاظ کو لکھنے کے لیے وہ ایک دوسرے سے سبقت کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔[۱۳۶]

سجدوں میں

رکوع کی طرح سجدے میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی تلاوت سے منع کیا،[۱۳۷] اور فرمایا ہے کہ سجدے کی حالت میں بندہ اپنے رب سے قریب تر ہوتا ہے، اس لیے اس میں زیادہ سے زیادہ دعا کرو۔[۱۳۸] چنانچہ 'سبحان ربي الأعلیٰ' (پاک ہے میرا پروردگار، سب سے برتر) کا پڑھنا بھی سجدے کی حالت میں آپ سے منقول ہے[۱۳۹] اور اس کی جگہ بعض دوسرے اذکار اور دعاؤں کا ذکر بھی ہوا ہے۔ ان میں سے جو دعائیں اور اذکار روایتوں میں نقل ہوئے ہیں، وہ یہ ہیں:

سبوح، قدوس، رب الملائكة والروح.[۱۴۰]

''ہر عیب اور برائی سے پاک ہے وہ روح الامین اور فرشتوں کا پروردگار۔''

سبحنك اللهم ربنا، وبحمدك، اللهم اغفرلي.[۱۴۱]

''اے اللہ، اے ہمارے پروردگار، تو پاک ہے اور ستودہ صفات بھی۔ اے اللہ، تو مجھے بخش دے۔''

اللهم اغفرلي ذنبي كله، دقه وجله، وأوله وآخره، وعلانيته وسره.[۱۴۲]

۱۳۴؎ بخاری، رقم ۴۷۷، ۲، ۹۷۶، ۳۸۷، ۴۲۸۴۔ ابوداؤد، رقم ۱۴۴۳۔ احمد، رقم ۱۲۴۲۵۔

۱۳۵؎ بخاری، رقم ۷۶۳۔

۱۳۶؎ ابوداؤد، رقم ۷۷۰۔

۱۳۷؎ مسلم، رقم ۴۸۰۔

۱۳۸؎ مسلم، رقم ۴۸۲۔

۱۳۹؎ ابوداؤد، رقم ۸۷۱، ۸۷۴۔

۱۴۰؎ مسلم، رقم ۴۸۷۔

۱۴۱؎ ابوداؤد، رقم ۸۷۷۔

۱۴۲؎ مسلم، رقم ۴۸۳۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

’’اے اللہ، میرے سب گناہ بخش دے۔ چھوٹے بھی اور بڑے بھی، اگلے بھی اور پچھلے بھی، کھلے بھی اور چھپے بھی۔‘‘

اللھم، لك سجدت، وبك آمنت، ولك أسلمت، سجدوجهي للذي خلقه وصوره، وشق سمعه وبصره، تبارك الله أحسن الخالقين[143]۔

’’اے اللہ، میں نے تیرے ہی لیے سجدہ کیا اور تجھ ہی پر ایمان لایا، اور اپنے آپ کو تیرے ہی حوالے کیا۔ میرا چہرہ اس ہستی کے لیے سجدہ ریز ہے جس نے اسے بنایا اور اس کی صورت گری کی، پھر اس میں کان اور آنکھیں بنا دیں۔ بہت بزرگ، بہت فیض رساں ہے اللہ، سب سے بہتر بنانے والا۔‘‘

رات کی نمازوں میں یہ دعائیں بھی آپ سے منقول ہیں:

سبحنك، وبحمدك، لا إله إلا أنت[144]۔

’’تو پاک ہے اور ستودہ صفات بھی۔ تیرے سوا کوئی الہٰ نہیں ہے۔‘‘

اللھم اغفرلي ماأسررت، وما أعلنت[145]۔

’’اے اللہ، تو میرے کھلے اور چھپے، سب گناہ بخش دے۔‘‘

اللھم أعوذبرضاك من سخطك، وبمعافاتك من عقوبتك، وأعوذبك منك، لا أحصي ثناء عليك، أنت كما أثنيت على نفسك[146]۔

’’اے اللہ، میں تیری ناراضی سے تیری رضا اور تیرے عذاب سے تیری عافیت کی پناہ چاہتا ہوں۔ اور (پروردگار)، میں تجھ سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ میرے لیے ممکن نہیں کہ تیری ثنا کا حق ادا کر سکوں۔ تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تو نے خود اپنی ثنا کی ہے۔‘‘

اللھم، اجعل في قلبي نوراً، وفي سمعي نوراً، وفي بصري نوراً، وعن يميني نوراً، وعن شمالي نوراً، وأمامي نوراً، وخلفي نوراً، وفوقي نوراً، وتحتي نوراً، واجعلني نوراً[147]۔

’’اے اللہ، تو میرے دل میں نور پیدا کر دے؛ اور میرے کانوں اور میری آنکھوں میں نور پیدا کر دے؛ اور میرے دائیں اور میرے بائیں سے نور پیدا کر دے؛ اور میرے آگے اور پیچھے نور پیدا کر دے؛ اور میرے اوپر اور نیچے نور پیدا کر دے؛ اور

---

143 مسلم، رقم ۱۷۷۱۔

144 مسلم، رقم ۴۸۵۔

145 نسائی، رقم ۱۱۲۴۔

146 مسلم، رقم ۴۸۶۔

147 مسلم، رقم ۷۶۳۔

(پروردگار)، تو مجھے سراپا نور بنا دے۔''

جلسہ میں

جلسہ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائیں کی ہیں۔ چنانچہ 'رب اغفرلي' (پروردگار، تو مجھے بخش دے) کی تکرار[148] بھی روایت ہوئی ہے، اور رات کی نمازوں میں یہ دعا بھی روایت کی گئی ہے:

اللهم اغفرلي، وارحمني، وعافني، واهدني، وارزقني.[149]

''اے اللہ، تو مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرما، مجھے عافیت دے، ہدایت دے اور رزق عطا فرما۔''

قعدہ میں

نماز کا قعدہ دعاؤں کے لیے خاص ہے اور نماز پڑھنے والا اس میں جو دعا چاہے کر سکتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و عمل سے جو رہنمائی اس باب میں حاصل ہوئی ہے، اس کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

ا۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود کا بیان ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں ہوتے تو اس طرح کہتے تھے: اللہ کے بندوں کی طرف سے اللہ پر سلامتی ہو؛ فلاں اور فلاں پر سلامتی ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو فرمایا: یہ مت کہو کہ اللہ پر سلامتی ہو، اس لیے کہ اللہ تو خود سراسر سلامتی ہے۔ اس کے بجاے یہ کہنا چاہیے: 'التحيات لله والصلوٰت والطيبات، السلام عليك، أيها النبي ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلى عباد الله الصلحين'[150] ـــــ تم اس طرح کہو گے تو تمھاری یہ دعا ہر اس بندے کو پہنچ جائے گی جو آسمان میں ہے یا زمین و آسمان کے مابین کہیں ہے ـــ (آگے فرمایا): 'اشهد أن لا إله إلا الله، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله'[151] اس کے بعد بندہ جو دعا چاہے، اپنے لیے کر سکتا ہے۔[152]

الفاظ کے معمولی اختلافات کے ساتھ یہی دعا سیدنا عمر، سیدہ عائشہ، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم سے بھی نقل ہوئی ہے۔[153] روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے خاص اہتمام

---

۱۴۸ ابن ماجہ، رقم ۹۰۵۔

۱۴۹ ابوداؤد، رقم ۸۵۰۔

۱۵۰ ''تمام نیاز، دعائیں اور پاکیزہ اعمال، سب اللہ ہی کے لیے ہیں۔ آپ پر سلامتی ہو، اے نبی، اور اللہ کی رحمت اور اُس کی برکتیں ہوں۔ ہم پر بھی سلامتی ہو اور اللہ کے سب نیک بندوں پر بھی۔''

۱۵۱ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اُس کے بندے اور رسول ہیں۔''

۱۵۲ بخاری، رقم ۸۰۰۔

کے ساتھ صحابہ کو سکھاتے تھے۔[۱۵۴]

۲۔ابومسعودانصاری کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: ہم سعد بن عبادہ کے ہاں بیٹھے ہوئے تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لائے تو بشیر بن سعد نے آپ سے پوچھا: یارسول اللہ، اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ پر رحمت بھیجنے کا حکم دیا ہے، آپ بتائیے کہ ہم آپ پر کس طرح رحمت بھیجیں؟ حضور اس پر خاموش ہو گئے، یہاں تک کہ ہمیں خیال ہوا کہ اے کاش، وہ یہ بات نہ پوچھتے۔پھر آپ نے فرمایا: تمھیں اس طرح کہنا چاہیے: 'اللهم صل على محمد وعلى آل محمد، كما صليت على آل إبراهيم، وبارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على آل إبراهيم في العلمين، إنك حميد مجيد'۔[۱۵۵] (فرمایا): اور سلام بھیجنے کا طریقہ تو تم لوگ جانتے ہی ہو۔[۱۵۶]

اس دعا میں بھی الفاظ کے بعض اختلافات ہیں۔تاہم فی الجملہ یہی مضمون ہے جو مختلف طریقوں سے نقل ہوا ہے۔پھر یہ بات بھی روایت ہوئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق فرمایا ہے: جس نے مجھ پر ایک مرتبہ رحمت بھیجی، اللہ اُس پر دس مرتبہ رحمت بھیجے گا۔[۱۵۷]

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

روایت میں اللہ تعالیٰ کے جس حکم کا حوالہ دیا گیا ہے، وہ سورۂ احزاب میں اِس طرح بیان ہوا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ، يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا، صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا. (۳۳:۵۶)	''اللہ اور اس کے فرشتے پیغمبر پر رحمت بھیجتے ہیں۔ایمان والو، تم بھی ان پر رحمت بھیجو اور سلام بھیجو، زیادہ سے زیادہ۔''

۳۔ان کے علاوہ جو دعائیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قعدے میں کی ہیں یا ان کی تلقین فرمائی ہے، وہ یہ ہیں:

اللهم، إني أعوذ بك من عذاب جهنم، ومن عذاب القبر، ومن فتنة المحيا والممات، ومن شر فتنة المسيح الدجال.[۱۵۸]

---

۱۵۳ الموطا، رقم ۲۰۳۔ مسلم، رقم ۴۰۳، ۴۰۴۔ ابوداؤد، رقم ۹۷۱۔ ابن ابی شیبہ، رقم ۲۹۹۳۔

۱۵۴ مسلم، رقم ۴۰۳۔

۱۵۵ ''اے اللہ، تو محمد اور ان کے خاندان پر رحمت فرما، جس طرح تو نے ابراہیم کے خاندان پر رحمت فرمائی ہے، اور محمد اور ان کے خاندان پر اپنی برکت نازل کر، جس طرح تو نے ابراہیم کے خاندان پر پورے عالم میں اپنی برکت نازل کی ہے۔اس میں شبہ نہیں کہ تو بزرگ اور ستودہ صفات ہے۔''

۱۵۶ مسلم، رقم ۴۰۵۔

۱۵۷ نسائی، رقم ۱۲۹۵۔

''اے اللہ، میں میں دوزخ کے عذاب سے تیری پناہ چاہتا ہوں؛ اور قبر کے عذاب سے پناہ چاہتا ہوں؛ اور موت وحیات کی آزمایش سے پناہ چاہتا ہوں؛ اور مسیح دجال کی آزمایش سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''

اللھم، إني ظلمت نفسي ظلماً كثيراً، ولا يغفر الذنوب إلا أنت، فاغفر لي مغفرة من عندك، وارحمني، إنك أنت الغفور الرحيم.[159]

''اے اللہ، میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیے ہیں، اور (جانتا ہوں کہ) میرے گناہوں کو تیرے سوا کوئی معاف نہیں کرسکتا۔ اِس لیے، (اے پروردگار)، تو خاص اپنی بخشش سے میرے گناہ بخش دے اور مجھ پر رحم فرما۔ اِس میں شبہ نہیں کہ تو بخشنے والا ہے، تیری شفقت ابدی ہے۔''

اللھم إني أعوذ بك من شر ما عملت، ومن شر ما لم أعمل.[160]

''اے اللہ، میں نے جو کچھ کیا ہے اور جو کچھ نہیں کیا، اس کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''

اللھم حاسبني حسابا يسيراً.[161]

''اے اللہ، تو میرا حساب آسان کردے۔''

اللھم بعلمك الغيب وقدرتك على الخلق، أحيني ما علمت الحياة خيراً لي، وتوفني إذا علمت الوفاة خيراً لي. اللھم، وأسألك خشيتك في الغيب والشهادة، وأسألك كلمة الحق في الرضاء والغضب، وأسألك القصد في الفقر والغنى، وأسألك نعيماً لا ينفد، وأسألك قرة عين لا تنقطع، وأسألك الرضاء بعد القضاء، وأسألك برد العيش بعد الموت، وأسألك لذة النظر إلى وجهك، والشوق إلى لقائك، في غير ضراء مضرة، ولا فتنة مضلة، اللھم زينا بزينة الإيمان، واجعلنا هداة مهتدين.[162]

''اے اللہ، تو اپنے علم غیب اور مخلوق پر اپنی قدرت کے وسیلے سے مجھے اُس وقت تک زندگی دے، جب تک تو جینے کو میرے لیے بہتر جانے؛ اور اس وقت دنیا سے لے جا، جب تو لے جانے کو بہتر جانے۔ اے اللہ، اور میں کھلے اور چھپے میں تیری خشیت مانگتا ہوں؛ اور خوشی اور رنج میں سچی بات کی توفیق چاہتا ہوں؛ اور فقر وغنا میں میانہ روی کی درخواست کرتا ہوں؛ اور ایسی نعمت چاہتا ہوں جو تمام نہ ہو؛ اور آنکھوں کی ایسی ٹھنڈک جو کبھی ختم نہ ہو۔ اور تیرے فیصلوں پر راضی رہنے کا حوصلہ مانگتا

۱۵۸؎ مسلم، رقم ۵۸۸۔

۱۵۹؎ بخاری، رقم ۷۹۹۔

۱۶۰؎ مسلم، رقم ۲۷۱۶۔

۱۶۱؎ احمد، رقم ۲۴۲۶۱۔

۱۶۲؎ نسائی، رقم ۱۳۰۵۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ہوں؛ اور موت کے بعد زندگی کی راحت مانگتا ہوں؛ اور تجھ سے ملاقات کا شوق اور تیرے دیدار کی لذت مانگتا ہوں، اس طرح کہ نہ تکلیف دینے والی سختی میں رہوں اور نہ گمراہ کر دینے والے فتنوں میں۔ اے اللہ، تو ہمیں ایمان کی زینت عطا فرما اور ایسا بنا دے کہ خود بھی ہدایت پر رہیں اور دوسروں کو بھی ہدایت دیں۔''

اللھم، إني أسألك من الخير كله، عاجله وآجله، ماعلمت منه ومالم أعلم، وأعوذبك من الشركه، عاجله وآجله، ما علمت منه ومالم أعلم، وأسألك الجنة وما قرب إليها من قول أوعمل، وأعوذبك من النار وما قرب إليها من قول أوعمل، وأسألك من الخير ما سألك عبدك ورسولك محمد، وواستعيذك مما استعاذ منه عبدك ورسولك محمد، وأسألك ماقضيت لي من أمر أن تجعل عاقبته رشداً.[۱۶۳]

'اے اللہ، میں تجھ سے ہر طرح کی بھلائی چاہتا ہوں؛ وہ بھی جو فوراً ملنے والی ہے اور وہ بھی جس کے لیے تو نے وقت مقرر کر رکھا ہے؛ وہ بھی جو میرے علم میں ہے اور وہ بھی جسے میں نہیں جانتا۔ اور ہر طرح کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں؛ وہ بھی جو عنقریب پہنچ جائے گا اور وہ بھی جس کے لیے تو نے وقت مقرر کر رکھا ہے؛ وہ بھی جو میرے علم میں ہے اور وہ بھی جسے میں نہیں جانتا۔ اور تجھ سے جنت مانگتا ہوں، اور ایسے قول و عمل کی توفیق چاہتا ہوں جو اس کے قریب کر دینے کا باعث ہو۔ اور دوزخ سے تیری پناہ مانگتا ہوں، اور ایسے قول و عمل سے پناہ مانگتا ہوں جو اُس کے قریب کر دینے کا باعث ہو۔ (پروردگار)، میں تجھ سے وہ بھلائی چاہتا ہوں جو تیرے بندے اور رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے چاہی ہے، اور ان چیزوں سے پناہ مانگتا ہوں جن سے تیرے بندے اور رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پناہ مانگی ہے۔ اور تو نے جو فیصلہ بھی میرے لیے کیا ہے، اس میں تجھ سے اچھے انجام کی درخواست کرتا ہوں۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ قعدے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری دعا بالعموم یہ ہوتی تھی:

اللھم اغفرلي ماقدمت وما أخرت، وما أسررت وما أعلنت، وما أسرفت، وما أنت أعلم به مني، أنت المقدم وأنت المؤخر، لاإله إلا أنت.[۱۶۴]

''اے اللہ، تو میرے گناہ معاف کر دے؛ اگلے اور پچھلے، کھلے اور چھپے۔ اور جو زیادتی مجھ سے ہوئی ہے، اسے بھی معاف فرما دے اور وہ سب چیزیں بھی جنھیں تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ تو ہی لوگوں کو آگے کرنے والا ہے اور تو ہی انھیں پیچھے کرنے والا ہے۔ تیرے سوا کوئی الہٰ نہیں ہے۔''

وائل رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ دائیں طرف سلام پھیرتے وقت آپ کبھی کبھی 'السلام علیکم ورحمة اللّٰہ' کے

۱۶۳؎ احمد، رقم ۲۵۱۸۰۔

۱۶۴؎ ابوداؤد، رقم ۱۵۰۹۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ساتھ 'و برکاتہ' (اور اس کی برکتیں) کا اضافہ بھی کر دیتے تھے۔[165]

نماز کے بعد

نماز سے فراغت کے بعد بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم بالعموم ذکر و دعا میں مشغول ہوتے تھے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور کے نماز سے فارغ ہو جانے کا علم مجھے 'اللّٰہ أکبر' کہنے سے ہوتا تھا۔[166]

سیدہ عائشہ کا بیان ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنی دیر ہی بیٹھتے تھے کہ اس میں یہ ذکر فرمالیں:

اللھم أنت السلام، و منك السلام، تبارکت، یا ذا الجلال و الإکرام.[167]

''اے اللہ، تو سراسر سلامتی ہے، اور سلامتی سب تیری ہی طرف سے ہے۔ اے عزت و جلالت کے مالک، تیری ذات بڑی ہی بابرکت ہے۔''

ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اِس سے پہلے آپ تین مرتبہ استغفار بھی کرتے تھے۔[168]

مغیرہ بن شعبہ کی روایت ہے کہ نماز کے بعد آپ یہ دعا فرماتے تھے:

لا إلٰـه إلا اللّٰه وحده، لا شریك له، له الملك، وله الحمد، وھو علی کل شيء قدیر، اللھم لا مانع لما أعطیت، ولا موطي لما منعت، ولا ینفع ذا الجد منك الجد.[169]

''اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ بادشاہی اس کی ہے اور حمد و ثنا بھی اسی کے لیے ہے، اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اے اللہ، جسے تو دے، اسے کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جس چیز سے تو روک دے، اسے کوئی دینے والا نہیں ہے؛ اور کسی مرتبے والے کو اس کا مرتبہ تیری گرفت کے مقابلے میں کچھ بھی نفع نہیں دیتا۔''

عبداللہ بن زبیر کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے سلام پھیر کر فارغ ہوتے تو یہ ذکر کرتے تھے:

لا إله إلا اللّٰه، وحده لا شریك له، له الملك وله الحمد، وھو علی کل شيء قدیر. لاحول ولا قوة إلا باللّٰه، لا إله إلا اللّٰه، ولا نعبد إلا إیاه. لـه النعمة، وله الفضل، وله الثناء الحسن، لا إله إلا اللّٰه، مخلصین له الدین، ولو کره الکافرون.[170]

۱۶۵؎ ابوداؤد، رقم ۹۹۷۔

۱۶۶؎ بخاری، رقم ۸۰۶۔

۱۶۷؎ مسلم، رقم ۵۹۲۔

۱۶۸؎ مسلم، رقم ۵۹۱۔

۱۶۹؎ بخاری، رقم ۸۰۸۔

۱۷۰؎ مسلم، رقم ۵۹۴۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

''اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ بادشاہی اس کی ہے اور حمد وثنا بھی اُسی کے لیے ہے؛ اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ ہمت اور قدرت، سب اللہ ہی کی عنایت سے ہے، اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور ہم اس کی عبادت کرتے ہیں۔ نعمت اور عنایت، سب اسی کی ہیں اور اچھی ثنا بھی اسی کے لیے ہے۔ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، اطاعت کو منکروں کے علی الرغم اسی کے لیے خالص کرتے ہیں۔''

سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو یہ کلمات سکھاتے اور فرماتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ذریعے سے ہر نماز کے بعد اللہ کی پناہ چاہتے تھے:

اللهم إني أعوذ بك من البخل، وأعوذبك من الجبن، وأعوذبك من أن أرد الى أرذل العمر، وأعوذبك من فتنة الدنيا، وعذاب القبر.[۱۷۱]

''اے اللہ، میں بخل اور بزدلی سے تیری پناہ چاہتا ہوں، ارذل عمر کی طرف لوٹائے جانے سے پناہ چاہتا ہوں، اور دنیا کی آزمایش اور قبر کے عذاب سے پناہ چاہتا ہوں۔''

ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقرائے مہاجرین کو تعلیم دی کہ ہر نماز کے بعد وہ ۳۳ مرتبہ 'سبحان اللّٰه'، ۳۳ مرتبہ 'الحمد للّٰه'، اور ۳۳ مرتبہ 'اللّٰه اکبر' کہا کریں۔[۱۷۲]

ابوہریرہ ہی کا بیان ہے کہ اِس ۹۹ کو درج ذیل کلمات سے ۱۰۰ کر دیا جائے تو آدمی کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں، اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں:

لا إله إلا اللّٰه، وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد، وهو على كل شيء قدير.[۱۷۳]

''اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے، وہ یکتا ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں۔ بادشاہی اس کی ہے، حمد وثنا بھی اُسی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔''

ابن عجرہ کی ایک روایت میں ۳۳ مرتبہ 'سبحان اللّٰه'، ۳۳ مرتبہ 'الحمد للّٰه' اور ۳۴ مرتبہ 'اللّٰه اکبر' کہنے کا ذکر بھی ہوا ہے۔[۱۷۴]

زید بن ثابت کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک انصاری نے بیان کیا کہ انھیں کسی شخص نے خواب میں ۳۳ مرتبہ کی جگہ ۲۵ مرتبہ 'سبحان اللّٰه'، ۲۵ مرتبہ 'الحمد للّٰه'، ۲۵ مرتبہ 'اللّٰه اکبر' اور اس کے ساتھ ۲۵ مرتبہ 'لا إله

۱۷۱؎ بخاری، رقم ۶۰۰۴۔

۱۷۲؎ مسلم، رقم ۵۹۵۔

۱۷۳؎ مسلم، رقم ۵۹۷۔

۱۷۴؎ مسلم، رقم ۵۹۶۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

إلا اللّٰه'، کہنے کی تلقین کی ہے۔ آپ نے فرمایا: یہی کر لیا کرو۔[175]

[باقی]

۱۷۵؎ احمد، رقم ۲۱۶۴۰۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ریحان احمد یوسفی

مسلمان اور دنیا پرستی

(۲)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

دنیا کی غلط رہنمائی

ہم نے نے تفصیل کے ساتھ یہ بات بیان کی ہے کہ دنیا اللہ تعالیٰ نے عبث نہیں بنائی۔ اس کا ایک متعین مقصد ہے۔ یہ مقصد ان پاکیزہ نفوس کا حصول ہے جو اس دنیا کی آلایشوں میں رہتے ہوئے تمام تر اختیار و ارادے کے باوجود اپنے آپ کو اس دنیا کی آلودگیوں سے بچاتے ہیں۔ ختم نبوت کے بعد لوگوں کے پاس اس خدائی منصوبے کو جاننے کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ مسلمان اپنے قول و فعل سے انسانوں کو اس معاملے سے آگاہ کریں۔

تاہم آج کے مسلمان دنیا کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے منصوبے کو خود ہی فراموش کر چکے ہیں تو دوسروں کو اس سے کیا آگاہ کریں گے؟ یہ بات کہ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے، یہ بات کہ دنیا تو محض ایک آزمایش اور دھوکا کی جگہ ہے جس کا مقصد امتحان کے سوا کچھ نہیں۔ یہ کھونے اور پانے، کامیابی اور ناکامی، عروج و زوال، خوشی و غم کی جگہ نہیں، بلکہ صرف اور صرف امتحان کی جگہ ہے جس میں انسان کو تمام حالات میں اپنے وجود کو ہر طرح کی غلاظتوں سے بچا کر اپنے آپ کو خدا کی جنت کا مستحق ثابت کرنا ہے، یہ حقیقت آج کے مسلمان کے لیے بھی اتنی ہی اجنبی ہے جتنی کہ ایک غیر مسلم کے لیے۔

آج کسی مسلمان سے کبھی دریافت کیجیے کہ وہ اداس کیوں ہے تو وہ جواب میں دنیا سے اپنی محرومی کی داستان سنائے گا۔ کسی سے پوچھیے وہ خوش کیوں ہے تو وہ دنیا میں اپنی کامیابی کی کہانی سے آگاہ کرے گا۔ اس کی زندگی کا نصب العین دریافت کیجیے تو وہ ایک کامیاب دنیوی زندگی کا نقشہ کھینچ کر رکھ دے گا۔ اس کی راہِ عمل دریافت کیجیے تو جواب میں ''شاہراہِ مال'' کے سوا کسی اور راستے کا نشان بھی سامنے نہیں آئے گا۔ آج کے مسلمان زبان حال سے دنیا کو صرف ایک پیغام دیتے ہیں۔ وہ یہ

کہ ان کی خوشی اور غم، راحت اور کلفت، دکھ اور آرام، سب اسی دنیا سے وابستہ ہے اور یہ کہ وہ موت کے بعد کی کسی زندگی سے واقف نہیں۔

دنیا پرستی کی دوڑ میں آج کے مسلمان ٹھیک اسی انحراف کا شکار ہو چکے ہیں جس میں بنی اسرائیل اپنے زمانہ میں مبتلا ہوئے تھے۔ وہ دنیا کو شرک کی لعنت سے بچانے کے لیے کھرے ہوئے تھے، مگر خود اپنے پیغمبروں سے بچھڑے کو خدا بنانے کی فرمایش کر بیٹھے۔ آج کے مسلمان کی بھی یہ بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ دنیا پرستی کے اس فتنہ میں کھڑا ہو کر لوگوں کو یہ بتائے کہ اصل زندگی دنیا کی نہیں، آخرت کی ہے۔ ایک مسلمان کو دیکھ کر لوگوں کو دنیا کے بارے میں خدا کے منصوبہ کا پتا چلنا چاہیے۔ انھیں جاننا چاہیے کہ جنت کی امید پر جینے والے کیسے ہوتے ہیں، مگر اس کے بجائے مسلمان بھی مال و دولت کے اس معبود کو سجدہ کرنے لگا جس کے پجاری چہار عالم ہیں۔ ہم دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی اپنے لیے بھی ''دنیا کا ایک سنہری بچھڑا'' چاہتے ہیں اور یہ بھول گئے ہیں کہ ہمیں تو دنیا کو اس سنہری بچھڑے کے جال سے نکالنا تھا اور انسانیت کو جنت کی ابدی بادشاہی کی خبر دینی تھی۔

سچی دین داری کی موت

مسلمان جب دنیا پرستی کے مرض میں گرفتار ہوتے ہیں تو وہ آخرت کا انکار نہیں کر دیتے، بلکہ وہ ایسے ذرائع ڈھونڈ لیتے ہیں، جن سے ان کی آخرت بھی محفوظ رہتی ہے اور ان کی دنیا پرستی پر بھی حرف نہیں آتا۔ یہ ذرائع بالعموم وہ سفارش کرنے والے ہوتے ہیں جو ان کی ہر بدعملی کے باوجود خدا کی پکڑ سے انھیں بچانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح کچھ ایسے آسان اعمال لوگوں میں مقبول ہو جاتے ہیں جو کسی خاص وقت اور طریقے پر اگر ادا کر دیے جائیں تو اس کے بعد انسان کے لیے لازماً جنت میں جگہ محفوظ اور نار جہنم ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔

دین کی تعلیمات پر نگاہ رکھنے والے یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ رویہ سچی دین داری اور فلسفۂ دین کی موت ہے۔ دینی تعلیم کا خلاصہ فکر آخرت ہے جس میں ایک انسان قدم قدم پر محتاط زندگی گزارتا ہے۔ وہ مسجد ہی میں خدا کا بندہ نہیں بنتا، بلکہ اپنے دفتر، گھر، سڑک اور دکان، غرض یہ کہ ہر جگہ خدا کا بندہ بن کی زندگی گزارتا ہے۔ اس کے لیے دین محض ایک ثقافتی مظہر اور دینی شعائر کی پابندی کوئی رسم و عادات نہیں رہتی، بلکہ ان کے ذریعے سے وہ اپنے روحانی، حیوانی، عقلی اور اخلاقی وجود کا تزکیہ کرتا اور انھیں پاکیزہ تر بناتا ہے۔ اس کے برعکس ایک دنیا پرست مسلمان نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر دینی اعمال کو محض ایک رسم و عادت کے تحت اختیار کرتا ہے۔ جس کا کوئی اثر اس کے کردار، اخلاق، عادات اور معاملات میں ظاہر نہیں ہوتا۔ چنانچہ ان سب کے ساتھ وہ اخلاق و کردار کی ہر گندگی میں اسی طرح لتھڑا ہوتا ہے جس طرح ایک دنیا دار شخص۔ ہمارا حال، بلاشبہ، اس سے کچھ مختلف نہیں ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اخلاقی انحطاط

دنیا پرستی کے فتنہ نے ہمیں بدترین اخلاقی زوال سے دوچار کر دیا ہے۔ معاشرے کو مستحکم رکھنے والی ہماری اعلیٰ اقدار ماضی کا ایک قصہ بن کر رہ گئی ہیں۔ معاشرے میں اس وقت اگر کوئی قدر پوری قوت کے ساتھ زندہ ہے تو وہ صرف زر پرستی کی قدر ہے۔ دنیا پیسے سے ملتی ہے۔ چنانچہ لوگ پیسا کمانے کو زندگی کا واحد مقصد قرار دے دیتے ہیں۔ اس دھن میں لوگ حلال و حرام، خیر و شر اور نیک و بد کے ہر امتیاز کو بھول جاتے ہیں۔

ہمارے ہاں اس معاملے میں صورت حال یہ ہوگئی ہے کہ مذہبی پابندیوں کا لحاظ تو دور کی بات ہے، عام انسانی اخلاق، جن سے غیر مسلم بھی پہلو تہی نہیں کرتے، لوگوں کے لیے بے معنی ہو چکے ہیں۔ بازار میں دستیاب کسی شے کے متعلق ہم یہ بات اعتماد سے نہیں کہہ سکتے کہ یہ ملاوٹ سے پاک ہے۔ اس معاملے میں ہماری بے حسی اس درجہ میں پہنچ چکی ہے کہ غذا اور دوا جیسی اشیا بھی، جن پر زندگی اور موت کا انحصار ہے اور دنیا کے کسی مہذب ملک میں ان چیزوں میں ملاوٹ کا تصور نہیں کیا جا سکتا، ہمارے ہاں خالص نہیں ملتیں۔

رشوت نے ہمارے ہر قانون کو عملاً غیر موثر کر دیا ہے۔ جس معاشرے میں ہر ناجائز کام رشوت دے کر ممکن ہو اور رشوت کے بغیر کوئی جائز کام ممکن نہ ہو، وہاں قانون اور ضابطے کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔

مسلمان کی تعریف یہ ہے کہ اس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، مگر ہمارے ہاں مال و دنیا کی خاطر کسی کی بھی جان، مال اور عزت و آبرو کو نقصان پہنچانا ایک بہت معمولی بات ہے۔ ہر ظلم، ہر خیانت اور ہر ناجائز کام جس سے پیسا مل سکتا ہو، ہم بلا جھجک اس کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اس صورت حال کا سب سے زیادہ تشویش ناک پہلو یہ ہے کہ یہ انحطاط کم ہونے کے بجائے روز بروز بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ یہ صورت حال اگر تبدیل نہ ہوئی تو اس کے بدترین نتائج پورے معاشرے کو بھگتنے پڑیں گے۔

سادگی کا خاتمہ اور عیش پرستی کا فروغ

دین اسلام اپنے ماننے والوں کے سامنے آخرت کا جو نصب العین رکھتا ہے، اس کا لازمی تقاضا ہے کہ انسان کی توجہات اور وسائل کا بیش تر حصہ آخرت کے لیے صرف ہو۔ ہر چند کہ دین کا مطالبہ یہ نہیں ہے کہ انسان اپنی ضروریات کا گلا گھونٹ دے اور اپنے ذوق جمال کو مردہ کر دے، مگر آخرت پسندانہ سوچ کا ایک لازمی نتیجہ سادہ زندگی کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔ اس سادگی کا معیار فرد اور حالات کے اعتبار سے مختلف ہو سکتا ہے، مگر آخرت پر یقین رکھنے والا ایک شخص مجبور ہوتا ہے کہ اپنے مال کا ایک بڑا حصہ آخرت کی ابدی زندگی کے لیے بچا کر رکھے۔ اس کے برخلاف دنیا پرست انسان کی سوچ صرف اس دنیا تک محدود ہوتی ہے، اس لیے وہ اسی کو سنوارنے اور سجانے کی فکر میں رہتا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com

اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ دور حاضر کا میڈیا دنیا کو اس قدر حسین بنا کر دکھاتا ہے کہ انسان بے اختیار اس بت کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔ زمانۂ قدیم کا ایک شہنشاہ جن نعمتوں کا تصور نہیں کر سکتا تھا، میڈیا آج کے انسان کے سامنے اس کی تصویر کشی اس طرح کرتا ہے کہ انسان اس کے تصور میں کھو کر رہ جاتا ہے۔ سیر و تفریح، کھانا پینا، عالی شان محلات اور شان دار گھر، نئے ماڈل کی چمک دار گاڑیاں، قیمتی فرنیچر، انگریزی درس گاہوں میں اولاد کی تعلیم، زندگی کو حد درجہ سہل و آسان بنا دینے والی مشینوں اور پرتعیش اشیا کی کثرت ـــــ بس یہی کچھ اس کی زندگی کا مقصد بن کر رہ جاتا ہے۔

اس صورت حال کے نتیجے میں ہمارے ہاں معیار زندگی بلند کرنے کی ختم نہ ہونے والی دوڑ شروع ہو گئی ہے۔ ہوس زر کا مرض جو بالعموم خوش حال طبقات تک محدود ہوتا ہے، معاشرے کے گھر گھر میں پھیل چکا ہے۔ اس کے نتیجے میں ایک طرف وہ اخلاقی بگاڑ پیدا ہوا ہے جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا اور دوسری طرف اسراف، نمود و نمایش اور عیش پرستی جیسے امراض معاشرے میں عام ہو گئے ہیں۔ یہ امراض ہمارے معاشرے کو کمزور کر رہے ہیں اور قوم میں داخلی اور خارجی چیلنج کا سامنا کرنے کی صلاحیت بتدریج ختم ہو رہی ہے۔ یہ رویہ کسی بھی قوم کو آخر کار تباہی سے دوچار کر دیتا ہے۔

انسانی اقدار اور رشتوں کی کمزوری

زر پرستی نے نفسا نفسی کی ایک ایسی کیفیت ہمارے معاشرے میں پیدا کر دی ہے جس میں رشتے ناتے کمزور اور اعلیٰ انسانی اقدار مردہ ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ ملک و ملت سے وفاداری جو ہر دور میں مسلمہ انسانی قدر رہی ہے جس طرح ہمارے ہاں پامال کی جاتی ہے، دنیا میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ ہمارے اجتماعی ادارے جن سے ملک و قوم کی ترقی وابستہ ہوتی ہے، لوٹ گھسوٹ کا سب سے بڑا مرکز بن چکے ہیں۔ اپنے مالی مفادات کی خاطر پوری قوم کے مفادات کو بیچ دینے والے وہ لوگ ہیں جنھیں قوم نے قیادت کے منصب پر فائز کیا تھا۔

یہ معاملہ صرف خواص ہی تک محدود نہیں، عام لوگوں میں بھی امانت، دیانت، سچ، عدل، ایثار، ہمدردی اور دیگر اخلاقی تصورات بے حد کمزور ہو چکے ہیں۔ کچھ لوگ کروڑوں کے گھر بناتے ہیں اور اسی معاشرے میں غربا علاج کے پیسے نہ ہونے کی بنا پر مر جاتے ہیں۔ یہاں لوگ اپنی اولاد کی تعلیم پر لاکھوں روپے صرف کرتے ہیں اور قوم کی اکثریت کو ابتدائی تعلیم کی سہولت بھی میسر نہیں ہے۔ لوگ ہر سال نئے ماڈل کی گاڑی بدلتے ہیں اور غریبوں کی بچیاں تنگ دستی کی بنا پر بن بیاہی رہ جاتی ہیں۔

لوگ دن بھر مال کمانے کی ان تھک جدوجہد کرتے ہیں اور شام کو تھکن اتارنے کے لیے ایسے تفریحی پروگرام دیکھتے ہیں جو قلب و نظر کو آلودہ کر دیتے ہیں۔ اس بنا پر ہم شرم و حیا کے ان تصورات سے محروم ہو رہے ہیں جو ہمارا بہت قیمتی اثاثہ ہیں۔ ہماری دینوی مشغولیات ہمیں اولاد کی تربیت کا موقع نہیں دیتیں جس کے بعد میڈیا ان کے معصوم ذہنوں میں دنیا بھر کی غلاظت انڈیل دیتا ہے۔ نئی نسلوں کی تعمیر کرنے والے اساتذہ اب پیسے لے کر پڑھانے والے ملازم بن گئے ہیں۔ وہ ملازم

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جو صرف تنخواہ لیتے ہیں، تربیت نہیں کرتے۔

معیارِ عزت و شرافت میں تبدیل

عزت و شرافت کے ہمارے معیار اب روپے پیسے سے وابستہ ہو چکے ہیں۔ کیا یہ المیہ نہیں کہ ایک صاحب کردار، صاحب علم و فضل شخص کو معاشرے میں وہ مقام نہ ملے جس کا وہ مستحق ہو، مگر ایک حرام مال کھانے والے کو اس کی دولت کی وجہ سے معاشرے میں عزت و توقیر حاصل ہو جائے؟ لوگوں کی عزت اس بنیاد پر کی جائے کہ وہ کہاں رہتے ہیں، ان کے مالی حالات کیسے ہیں، وہ کس گاڑی میں سفر کرتے ہیں۔

نوجوان جو کسی قوم کا اثاثہ اور مستقبل کا سرمایہ ہوتے ہیں، اس معاشرے میں، اپنے مستقبل کا تعین صرف اس بنیاد پر کرتے ہیں کہ کس شعبہ میں زیادہ پیسا ہے۔ ہمارے ہاں اب لوگ رشتے ناتے طے کرتے وقت خاندانی شرافت اور اخلاقی حیثیت پر کوئی توجہ نہیں دیتے۔ ان کا معیار اکثر حالات میں صرف لڑکے کا مالی استحکام ہوتا ہے۔ اسی طرح لڑکی کا جہیز سسرال میں اس کی عزت و شرافت کا ضامن ہوتا ہے اور جس سے محرومی کی تلافی اس کے کردار اور اخلاق کی کوئی خوبی نہیں کر سکتی۔

بد قسمتی یہ ہے کہ ہمارے ہاں نہ صرف یہ معیار بدلے ہیں، بلکہ ہم یہ سمجھنے لگے ہیں کہ جو شخص مال و دولت میں پیچھے ہے، وہ دراصل خدا کی ناراضی کا شکار ہے اور جو خوش حال ہے، وہ اللہ کی رحمت سے فیض یاب ہو رہا ہے۔ بلاشبہ یہ تصور انتہائی قابل مذمت ہے جو دین کے اس فلسفۂ آزمایش سے ٹکراتا ہے جو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔

قلبی سکون اور وقار سے محرومی

انسان اصلاً روحانی وجود ہے۔ مادی ضروریات کی تسکین اس کے وجود کی بقا کے لیے ضروری ہے، مگر ذہنی سکون کے لیے وہ روحانی وجود کی تسکین چاہتا ہے۔ یہ تسکین روپے پیسے اور پر تعیش اشیا کے انبار میں نہیں ملتی۔ یہی سبب ہے کہ ہم ذہنی سکون کی اس دولت سے، جو انسان کی ہر تگ و دو کا حاصل ہوتی ہے، محرورم ہیں۔ چیزوں کی دوڑ میں لگ کر ہم اس قلبی آسودگی سے قطعاً محروم ہو چکے ہیں جو ایک سچے خدا پرست کی زندگی کو بہت سہل اور آسان کر دیتی ہے۔

اجتماعی سطح پر ہم اس شے سے محروم ہیں جسے دنیا عزت اور وقار کے نام سے جانتی ہے۔ ہم اپنے سیاسی فیصلوں میں خود مختار ہیں نہ معاشی پالیسیوں میں۔ بعض مسلمان ملک دنیا کی امیر ترین اقوام میں سے ہیں، مگر دنیا میں وہ اتنے ہی بے وقعت اور بے حیثیت سمجھے جاتے ہیں۔ اس کا سبب بھی یہ ہے کہ حقیقی عزت و وقار اخلاق اور کردار کی بلندی سے ملا کرتا ہے، جبکہ ہمارے ہاں دنیا پرستی کا سیلاب اصول و اخلاق کی ہر عظمت کو اپنے ساتھ بہا کر لے گیا ہے۔

طبقاتی کشمکش

زر پرستی کا لازمی نتیجہ دولت کی غیر مساوی تقسیم ہے۔ جس کے نتیجے میں کچھ لوگ امیر سے امیر تر اور اکثریت غریب تر

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ہوتی چلی جاتی ہے۔ ایک غریب نوجوان جب خود کو بنیادی ضروریات سے بھی محروم اور دوسروں کے پاس مال کے انبار دیکھتا ہے تو اس میں مجرمانہ ذہنیت جنم لیتی ہے۔ اس کے اندر وہ احساسِ محرومی پیدا ہوتا ہے جو معاشرے میں ایک چور، ڈاکو اور بدعنوان شخص جنم دیتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو معاشرے کا امن وسکون غارت کر دیتے ہیں۔ غریب کی ماری لڑکیاں جب اپنے گھروں سے نکلتی ہیں تو دولت کی چکا چوند انھیں حیا کے راستوں سے بھٹکا دیتی ہے۔ بعض کے پاس تو اس کے سوا کوئی راستہ نہیں بچتا کہ وہ اپنے آپ کو بیچ کر اپنے خاندان کی ضروریات پوری کریں۔

بڑی بڑی عالی شان عمارتوں اور سوسائٹیوں کی کثرت، چمکتی دمکتی گاڑیوں کا ازدحام اور خوش نما لباس پہنے خوش حال لوگوں کا نظارہ جب وہ غریب کرتے ہیں جنھیں جسم وجان کا رشتہ برقرار رکھنے کے لیے بھی وسائل دستیاب نہیں تو اس کے نتیجے میں ایک زبردست طبقاتی کشمکش جنم لیتی ہے۔ نفرت، غصہ اور انتقام کی یہ آگ آہستہ آہستہ سلگتی ہے اور ایک روز پورے معاشرے کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔

نتائج

دنیا پرستی اہل مغرب میں بھی موجود ہے، مگر وہ ہماری طرح الہامی ہدایت کے امین ہیں نہ انھوں نے دنیا پرستی کے نتیجے میں وہ معاشی، اخلاقی اور سماجی مسائل اپنے معاشرے میں پیدا ہونے دیے جن کا آج ہم شکار ہیں۔ ان تمام معاملات میں اہل مغرب کا رویہ ہم سے اچھا ہے۔ صرف صنفی معاملات میں وہ انحراف کا شکار ہوئے ہیں، مگر ہمارے ہاں تو زندگی کا ہر شعبہ اس سے متاثر ہو چکا ہے۔ اصحاب رسول کو اللہ تعالیٰ نے خیر امت (بہتری گروہ) قرار دیا تھا، مگر ہم لوگ تو شر امت (بدترین گروہ) ثابت ہو رہے ہیں۔ ایسے میں کیا عجب کہ ہم خدا کے عذابوں کی زد میں اور عزت ووقار سے محروم ہیں۔

دوسری طرف تعیشّات میں مبتلا، اخلاقی طور پر زوال پزیر اور طبقاتی کشمکش کا شکار معاشرے کے لیے تاریخ کوئی اچھا پیغام نہیں دیتی۔ ایسے معاشرے کا استحکام مکڑی کے جالے سے زیادہ نہیں ہوتا۔ اس کی مثال اس لکڑی کی طرح ہے جسے دیمک لگ چکی ہے۔ بظاہر وہ مضبوط لگتی ہے، مگر اصلاً وہ ایک معمولی ضرب بھی نہیں سہ سکتی۔ ہمارا معاشرہ بھی کم وبیش ایسا ہی بنتا جا رہا ہے۔ اگر اصلاح احوال کی کوشش نہ کی گئی تو اب بہت زیادہ دیر نہ لگے گی کہ اس کے پرخچے اڑ جائیں گے۔ قوموں کی زندگی میں بیس پچیس سال کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ اگر ہم نے اپنا رخ درست نہیں کیا تو اس سے زیادہ مہلت ہمارے پاس اب نہیں ہے۔ اس وقت میں دیر سویر ہو سکتی ہے، مگر یہ انجام متعین ہے۔ ہم یہ پیش گوئی کسی علم غیب کی بنیاد پر نہیں کر رہے۔ یہ نوشتۂ دیوار ہے جو قرآن اور تاریخ کے ہر طالب علم کو معلوم ہے۔ تاریخ دہرانے کا تو یہ موقع نہیں، البتہ ایک قرآنی آیت ہم نقل کیے دیتے ہیں جو بتاتی ہے کہ جب معاشرہ کے اہل ثروت قارون کی طرح زمین میں فساد پھیلانے لگیں اور عوام الناس ان کی اصلاح کے بجائے ان کے مقام ومرتبہ کو اپنا آئیڈیل قرار دے دیں تو اس قوم کی بربادی یقینی ہو جاتی ہے:

''اور جب ہم کسی قوم کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے خوش حال لوگوں کو حکم دیتے ہیں تو وہ اس میں فساد شروع

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

کر دیتے ہیں پس ان پر عذاب کی بات ثابت ہو جاتی ہے اور انھیں برباد کر ڈالتے ہیں۔'' (بنی اسرائیل ۱۷: ۱۶)

کیا دنیا کی نعمتیں شجر ممنوعہ ہیں؟

اس مسئلہ کا حل بیان کرنے سے پہلے اس سوال کا جواب دینا ضروری ہے کہ کیا یہ دنیا اور اس کی نعمتیں بالکلیہ ممنوع ہیں؟ کیا ایک مسلمان کی زندگی ہر نعمت اور مسرت سے خالی ہونی چاہیے؟ کیا حسن و زیبایش، لطف و لذت، چین و سکون اور راحت و آرام پہنچانے والی چیزوں کا استعمال مسلمانوں کے لیے برا ہے؟ یقیناً یہ بات نہیں ہے۔ اوپر قارون کا قصہ میں ہم نے دیکھا کہ اسے نصیحت کی گئی کہ مال کا اصل مقصد تو آخرت ہی کا حصول ہونا چاہیے، مگر دنیا سے بھی اپنا حصہ نہ بھولو۔ قرآن بتاتا ہے کہ اللہ سے آخرت کے ساتھ دنیا کی بھلائی بھی مانگنی چاہیے[1]۔ خدا کی نعمتیں اور زینتیں آخرت کی طرح دنیا میں بھی مسلمانوں کے لیے ہیں[2]۔ اسی طرح مال اس دنیا میں انسانوں کے قیام و بقا کا ذریعہ ہے[3]۔ جائز طریقے سے مال کمانے والا اللہ کا دوست ہے۔ قرآن جگہ جگہ یہ بتاتا ہے کہ مال اللہ کی راہ میں خرچ کر کے انسان بڑے درجات حاصل کر سکتا ہے۔

دین کی ان تعلیمات سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مال برا ہے نہ دنیا۔ دولت مند ہونا قابل مذمت ہے نہ دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونا۔ برائی اس میں انہماک، اسے مقصدِ زندگی بنا لینے، اس کی وجہ سے آخرت کو بھولنے، اسے معیار عزت و ذلت بنا لینے اور اس کے لیے مذہب و اخلاق کی ہر قدر کو پامال کرنے میں ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

راہِ نجات ـــــ فکر آخرت

ہم آغازِ مضمون میں بیان کر چکے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی دنیا کے اس فتنہ سے ہمیں خبر دار کر دیا تھا۔ قرآن و حدیث دنیا پرستی کی مذمت سے بھرے پڑے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم دینی تعلیمات، بالخصوص قرآن کریم کے مطالعہ کو اپنی زندگی کا جز بنائیں۔ قرآن سب سے بڑھ کر اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ دنیا کی زندگی اور اس کی کامیابی اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ قرآن تو یہاں تک کہتا کہ اگر خدا کو یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ دولت کی ہوس میں سب لوگ خدا کے نافرمان ہو جائیں گے تو وہ کفار کے گھر بار، در و دیوار اور ساز و سامان سے کو چاندی اور سونے کا بنا دیتا[4]۔

قرآن کا یہ پیغام کہ آخرت کی کامیابی اصل کامیابی ہے، اس کے ہر صفحہ پر نقش ہے۔ یہ خدا کے ہر پیغمبر کی تعلیم کا خلاصہ

---

[1] البقرہ ۲: ۲۰۱۔

[2] الاعراف ۷: ۳۱۔۳۲۔

[3] النساء ۴: ۵۔

[4] الزخرف ۴۳: ۳۳۔۳۴۔

ہے۔ یہ اس کی ہر کتاب کا موضوع رہا ہے۔ آج کے ہر مصلح کے لیے لازم ہے کہ وہ دین کے اس بنیادی پیغام کو عام لوگوں تک پہنچائے تاکہ مسلمان دنیا اور آخرت، دونوں کی کامیابی سے ہم کنار ہوں۔

ضروری ہے کہ لوگوں میں خدا کی ابدی بادشاہی یعنی اس کی جنت کی سچی طلب پیدا کی جائے۔ ہمارا عام مشاہدہ ہے کہ یہاں پاپیادہ شخص اسکوٹر کی، اسکوٹر والا گاڑی کی اور گاڑی والا بڑی گاڑی کی خواہش کرتا ہے۔ یہی معاملہ دیگر ہر چیز کا ہے۔ ہمارے دور کے مصلحین لوگوں کے اندر سے ترقی کی اس فطری خواہش کو ختم کرنا چاہتے ہیں، جبکہ خدا ایسا نہیں کرتا۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ اس خواہش کا رخ دنیا کے بجائے آخرت کی طرف مڑ جائے۔ دنیا کی اشرافیہ اور اہل ثروت کے گروہ میں شامل ہونے کے بجائے لوگوں میں یہ خواہش پیدا ہو جائے کہ وہ خدا کے مقربین اور جنت کی اشرافیہ میں شامل ہوں۔ آپ پورے قرآن کی دعوت پڑھ لیں، وہ اس کے سوا انسان میں کوئی ذہن پیدا نہیں کرنا چاہتا۔ قرآن کے اولین مخاطبین صحابۂ کرام اسی ذہن کی حامل ہستیاں تھیں۔ ابوبکر و عمر کا انفاق، عبد الرحمٰن و عثمان کی سخاوت اور علی و ابوذر کی سادگی آخرت پر اسی ایمان کے مختلف مظاہر تھے۔

آخرت پر ایمان آدمی میں کیا تبدیلی لاتا ہے، اس بات کو سمجھنے کے لیے قرآن کی اس آیت کو ملاحظہ فرمائیں:

''تم لوگوں کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے، وہ محض دنیا کی زندگی کا سامان اور اس کی زینت ہے، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے، وہ اس سے بہتر اور باقی تر ہے۔ کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے؟ بھلا وہ شخص جس سے ہم نے اچھا وعدہ کیا ہو اور وہ اسے پانے والا ہو کبھی اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جسے ہم نے صرف حیات دنیا کا سروسامان دے دیا ہو اور پھر وہ قیامت کے دن سزا کے لیے پیش کیا جانے والا ہو؟'' (القصص ۲۸: ۶۰-۶۱)

آپ اندازہ کریں کہ جس شخص کے دل میں صرف اس ایک آیت پر پکا یقین ہو، اس کی زندگی کس طرح گزرے گی؟ ایسا شخص مال کماتے وقت خدا کی اس نافرمانی کا خطرہ نہیں مول لے سکتا جس کا نتیجہ جہنم کی آگ ہے۔ اس کے مال کا بہترین مصرف، اپنی ضروریات پوری کر کے، آخرت کی ابدی اور زیادہ بہتر زندگی کی آرایش و زیبایش ہوگی۔ وہ دنیا میں کسی بھی نعمت کے حصول کے لیے آخرت کو کبھی خطرے میں نہیں ڈالے گا۔ وہ دنیا کے گھر سے پہلے آخرت کے گھر کی فکر کرے گا اور دنیا کی گاڑی سے پہلے آخرت کی سواری کی سوچے گا۔ اخلاق باختہ عورتوں کے عریاں اور نیم عریاں وجود پر نگاہ ڈالنے کی وقتی لذت کے لیے وہ ان حوروں سے محرومی گوارہ نہیں کرے گا جن کا چاند چہرہ، حسن دلکش اور ابدی شباب کبھی نہیں ڈھلے گا۔

گھر والوں کی ضروریات اور خواہشات اسے کبھی کسی ایسے راستے پر نہیں لے جا سکتیں جو آخر کار جہنم کی دہلیز تک جا پہنچتا ہو۔ بیوی بچوں سے اس کی محبت اسے مجبور کرے گی کہ وہ انھیں بھی جنت کے راستوں کا مسافر بنائے۔ ان کی تربیت کرے۔ انھیں وقت دے۔ انھیں بتائے کہ جینا تو صرف آخرت کا جینا ہے۔ کامیابی تو صرف جنت کی کامیابی ہے۔ یہ دنیا دھوکے کی ٹٹی کے سوا کچھ نہیں۔ جہاں ہم سے پہلے بن ان گنت لوگوں کا امتحان ہوا اور ہمارا بھی امتحان ہو رہا ہے۔ چند برسوں کی بات ہے،

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

نہ ہم رہیں گے نہ امتحان کے یہ صبر آزما لمحے۔ کچھ ہوگا تو خدا کی رحمت ہوگی۔ اس کی جنت ہوگی۔ ختم نہ ہونے والی نعمتیں ہوں گی۔ عزت واکرام کی رفعتیں ہوں گی۔ لہجوں میں وقار ہوگا۔ چہروں پر نکھار ہوگا۔ صالحین کی پاکیزہ قربت ہوگی۔ دوست احباب کی پر لطف صحبت ہوگی۔ ہیرے جواہرات کے محلات ہوں گے۔ مشک وعنبر کے باغات ہوں گے۔ سندس وحریر کی آرایش ہوگی۔ یاقوت ومرجان کی زیبایش ہوگی۔ دودھ اور شہد کی نہریں ہوں گی۔ مائے مصفا کی لہریں ہوں گی۔ سونے چاندی کے شجر ہوں گے۔ آب وشراب کے ساغر ہوں گے۔ فرشتوں کے سلام ہوں گے۔ مرغ وماہی کے طعام ہوں گے۔

غرض عیش وسرور اور حور وخدام کی یہ ابدی دنیا؛ آب وشراب اور قصر وخیام کی یہ ابدی دنیا؛ جاہ وحشم اور لذت وانعام کی یہ ابدی دنیا؛ چین وسکون اور لطف واکرام کی یہ ابدی دنیا وہ دنیا ہوگی جہاں کوئی دکھ نہ ہوگا۔ کوئی غم نہ ہوگا۔ کوئی مایوسی نہ ہوگی۔ کوئی پچھتاوا نہ ہوگا۔ کوئی محرومی نہ ہوگی۔ کوئی محدودیت نہ ہوگی۔ بدنصیب وہ نہیں جسے فانی دنیا نہیں ملی۔ بدنصیب وہ ہے جسے یہ ابدی دنیا نہیں ملی۔

جنت کے اس بیان پر مضمون کو ختم کرتے ہوئے خیال آتا ہے کہ شاید ایسے ہی احساسات کے ساتھ اقبال نے کہا ہوگا:

حقیقت پہ ہے جامۂ حرف تنگ حقیقت ہے آئینہ گفتار زنگ
فروزاں ہے سینے میں شمع نفس مگر تاب گفتار کہتی ہے بس
اگر یک سر موئے برتر پرم فروغِ تجلی بسوزد پرم

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جاوید احمد غامدی

فکر اصلاحی کا امین

[علامہ خالد مسعود کے سانحۂ ارتحال پر ایک تعزیتی اجلاس میں مدیر ''اشراق'' کا خطبۂ صدارت]

الحمد للّٰہ رب العٰلمین، والصلوٰۃ والسلام علی محمد الامین، فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم.

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

بزرگان گرامی قدر خواتین وحضرات!

ہم اس وقت ایک بندۂ مومن، دین کے ایک منفرد اور جید عالم اور تعلیم وتعلم کی ایک غیر معمولی روایت کے امین جناب خالد مسعود کی تعزیت کے لیے جمع ہوئے ہیں۔

خالد مسعود کی تعزیت کے لیے جمع ہوئے ہیں۔

خالد مسعود صاحب کس طرح کے عالم تھے ـــــ علما وہ بھی ہیں جو ہماری مساجد گاہے گاہے نغمہ سنج رہتے ہیں، علما وہ بھی ہیں جو درس گاہوں میں تعلیم وتعلم اور رشد وہدایت کی خدمات انجام دے رہے ہیں اور علما وہ بھی ہیں جنھوں نے اب سیاست ہی کو اپنا پہلا اور آخری عشق بنالیا ہے۔

خالد مسعود کس طرح کے عالم تھے ـــــ مجھ سے بارہا لوگ یہ پوچھتے ہیں کہ کیا یہ وہی امت ہے جو کسی زمانے میں دنیا پر حکومت کرتی رہی ہے؟ کیا یہ وہی امت ہے جسے صدیوں تک دنیا میں ایک سپر پاور کی حیثیت سے اسلام کا علم بلند کرنے کا شرف حاصل رہا ہے؟ کیا یہ وہی امت ہے جس کے علم ودانش کے ورثے اس وقت دنیا کے کتب خانوں کی امانت ہیں اور جن میں قرطبہ وغرناطہ اور قسطنطنیہ وبغداد کے علم وفضل کی عظیم روایت کو دیکھا جا سکتا ہے۔ ایسا کیوں ہوا کہ یہ امت ادبار میں مبتلا ہوگئی، زوال کے آخری مقام تک پہنچ گئی اور پستی میں گرگئی؟ اس کے جواب میں میں یہ عرض کیا کرتا ہوں کہ اس امت کی تاریخ پر گہری نظر ڈال کر دیکھا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ بنیادی طور پر اس کے دو ہی اسباب رہے ہیں: ایک یہ کہ دوسری تیسری صدی کے بعد قرآن مجید جو اللہ کی کتاب ہے، جس کو پروردگار نے میزان اور فرقان کی حیثیت دی ہے، جس کی حفاظت

کا ذمہ اس نے خود اٹھایا ہے، جس کے دنیا میں موجود ہونے کی وجہ سے نبوت ختم کر دی گئی ہے، یہ مسلمانوں کے علم اور عمل، دونوں کا محور نہیں رہا۔ یعنی دوسری صدی کے بعد سے قرآن کو یہ حیثیت حاصل نہیں رہی کہ جب کسی معاملے کا فیصلہ کرنا ہو، کسی مسئلے پر غور کرنا ہو، مذہب سے متعلق کوئی رائے قائم کرنی ہو، علم و دانش میں کوئی نقطۂ نظر اختیار کرنا ہو تو لوگ اسے محور بنا کر اس پر غور کریں۔ یہ ایک حوالے کی کتاب تو ضروری ہے، لیکن علم بھی اسے اپنا محور بنا کر جو کچھ کہنا ہے کہے اور عمل بھی اس کو مرکز بنا کر دنیا میں نمایاں ہو، یہ روایت دوسری تیسری صدی کے بعد کم ہونا شروع ہوئی، پھر آہستہ آہستہ ختم ہوتی چلی گئی اور اب تو ایک بڑے عرصے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بالکل اجنبی ہو چکی ہے۔

زوال کا دوسرا سبب امت کے ذہین عناصر کا طبعی اور سائنسی علوم کے بجائے فلسفے اور تصوف سے اشتغال ہے۔ فلسفہ اور تصوف، دونوں کا موضوع اصلاً مابعد الطبیعات اور اخلاقیات کے مباحث ہیں۔ مسلمانوں کو ان علوم میں سے کسی کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انھیں وحی الٰہی کی رہنمائی حاصل تھی، ان کے پاس یہ موضوعات حل شدہ موجود تھے۔ یہ ان کا اثاثہ اور سرمایہ تھا۔ اس کی بنا پر وہ فلسفے کو فلسفہ بتا سکتے تھے اور تصوف کو حقائق آشنا کر سکتے تھے، لیکن اس کے بجائے ان کی ذہانتوں نے انھی علوم کو اپنی تحقیقات کا مرکز اور محور بنایا اور طبعی اور سائنسی علوم سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔

امت کے زوال کے ان دونوں اسباب کا جب تک بہت اچھی طرح جائزہ لے کر انھیں دور کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی، ہم خواب دیکھ سکتے ہیں، ہنگامہ اور احتجاج کر سکتے ہیں اور اپنی جانیں بھی دے سکتے ہیں، لیکن امت کے احیا کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں کر سکتے۔

دور جدید میں ہندوستان میں ایک غیر معمولی واقعہ ہوا۔ اعظم گڑھ کے قریب ایک چھوٹے سے قصبے میں ایک ایسی شخصیت پیدا ہوئی جس نے صدیوں کے بعد وہ سارے عوامل مہیا کر دیے کہ جن کی بنا پر قرآن کو علم و عمل کا محور بنایا جا سکتا ہے۔ میں یہ عرض کیا کرتا ہوں کہ جس طرح برصغیر میں ہماری قدیم علمی روایت کے آخری عالم مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی تھے، اسی طرح اسلام کے دور جدید کے پہلے عالم کی حیثیت امام حمید الدین فراہی کو حاصل ہے۔ ان کا اصل امتیاز ہی یہ ہے کہ انھوں نے تمام علوم کو یہ راہ دکھائی کہ قرآن ان کا کیسے مرکز اور محور بنتا ہے۔ وہ کس طرح علم و فن پر حکومت کرتا ہے، فکر و نظر پر حکومت کرتا ہے، رائے اور اجتہاد پر حکومت کرتا ہے، روایت پر حکومت کرتا ہے، حدیث پر حکومت کرتا ہے، فقہ پر حکومت کرتا ہے، علم کلام پر حکومت کرتا ہے، فلسفہ اور تصوف پر حکومت کرتا ہے اور مسلمانوں کے تمام نظریاتی مباحث پر حکومت کرتا ہے، جو لوگ ابھی اس فکر سے پوری طرح واقف نہیں ہوئے، وہ نہیں جانتے کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے معاملے میں یہ کتنا غیر معمولی انقلاب ہے، جو ایک شخص کے کام سے برپا ہو گیا۔ امام فراہی کا زیادہ تر کام چونکہ عربی زبان میں تھا اور ایسے اسلوب میں تھا جسے اہل علم ہی صحیح معنوں میں سمجھ سکتے تھے، اس لیے زیادہ لوگ ان سے واقف نہیں ہوئے، لیکن ہندوستان اور ہندستان سے باہر کے اہل علم ان کی زندگی میں بھی اور ان کے بعد بھی اس اعتراف پر مجبور ہوئے کہ یہ ایک بالکل ہی منفرد نوعیت کی شخصیت تھی، جس

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

نے علم کے تمام منابع، تمام مصادر اور تمام مآخذ کو ایک مرتبہ پھر اس کی اصل پر استوار کر دیا۔

خالد مسعود صاحب اسی علمی روایت کے عالم تھے، ان کی انفرادیت یہ ہے کہ وہ علما میں سے ایک عالم نہیں تھے، بلکہ اس پیغام اور اس دعوت کے نقیب تھے کہ قرآن کو ہمارے علم کا بھی محور بننا چاہیے اور ہمارے عمل کا بھی محور بننا چاہیے۔ یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ امام فراہی اور ان کے بعد کے جلیل القدر شاگرد امین احسن اصلاحی نے اس روایت کو جہاں پہنچایا، خالد مسعود صاحب نے اس کو اپنی روح میں اتارا اور اسے اس کے اعماق میں اتر کر سمجھا۔ امام فراہی نے علم و عمل کے میدان میں یہ عظیم روایت قائم کی کہ سید سلیمان ندوی نے بیان کیا ہے کہ ہم جب امام حمید الدین فراہی کی صحبت میں بیٹھتے ہیں تو یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ ان کا علم زیادہ ہے یا ان کا تقویٰ زیادہ ہے۔ خالد مسعود صاحب کے بارے میں بھی یہ بات بڑے اطمینان کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ جب کوئی شخص ان سے متعارف ہوتا تو وہ فی الواقع یہ سوچتا کہ ان کا علم زیادہ ہے یا ان کا تقویٰ زیادہ ہے۔ علم و فکر اور سیرت و کردار کے لحاظ سے انھوں نے اس روایت کو اپنے منتہا تک پہنچایا اور دین کے طلبا کو اپنے وجود سے یہ درس دیا کہ علم اور عمل کو، علم اور ایمان کو، علم اور اخلاق کو اور علم اور تقویٰ کو الگ الگ نہیں کیا جا سکتا۔ علم کے ساتھ یہ چیزیں جمع ہوں گی تو اس کی کوئی وقعت ہو گی، ان کے بغیر وہ جو کچھ بھی ترک تازیاں دکھا لے، اس کی کوئی حیثیت دنیا میں قائم نہ ہو سکے گی۔

میں نے کم و بیش ربع صدی تک انھیں اپنے جلیل القدر استاذ کے ساتھ دیکھا ہے۔ ہمارے بزرگ ڈاکٹر انوار صاحب نے غلط نہیں کہا کہ وہ اپنے شیخ میں فنا ہو چکے تھے۔ فنا ہونے کی نوعیت اگرچہ وہ نہیں تھی جو ہمارے ہاں تقلید کی دنیا میں سمجھی جاتی ہے، لیکن اپنے استاذ کے علم کو حاصل کرنا ہے، اس کو سمیٹنا ہے، ان کے قلم اور اس کی زبان سے جو کچھ صادر ہوتا ہے، اسے اکٹھا کرنا ہے، اس کی تہذیب کرنی ہے اور اسے لوگوں تک پہنچانا ہے۔ اس خدمت کو انھوں نے اپنا شعار بنا رکھا تھا۔ اس میں شبہ نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص استاذ گرامی کے ذاتی اور علمی، دونوں طرح کے معاملات میں سب سے زیادہ قابل اعتماد تھا تو وہ خالد مسعود ہی تھے۔ یہ صاف محسوس ہوتا تھا کہ استاذ امام کی میراث کی ایک ایک چیز سے انھیں ایسی ہی دل چسپی تھی جیسی کہ دنیا کے کسی غیر معمولی طلب گار کو دنیا کی کسی چیز سے ہو سکتی ہے۔ ان کی طلب، ان کے شوق، ان کی ہمت اور ان کی ساری کدوکاوش کا محور و مرکز یہی تھا کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے، اس کو سمجھ لیا جائے اور جب سمجھ لیا جائے تو اس کی دنیا تک پہنچانے کی کوشش کی جائے۔

میرا جب اول اول ان سے تعارف ہوا تو میں نے دیکھا کہ وہ ''میثاق'' کے صفحات میں افادات فراہی کے عنوان سے مولانا فراہی کے مختلف مقالات کا ترجمہ کر رہے تھے۔ اس وقت بھی تنہا وہی تھے جن کا تعارف ہی یہ ہوتا تھا کہ شاگرد رشید مولانا امین احسن اصلاحی۔ انھوں نے جب اپنی زندگی کی وہ آخری کتاب شائع کی جو ان کی زندگی کے کارناموں میں بہترین کارنامہ ہے، تو بڑے اصرار سے اپنے نام کے ساتھ تلمیذ مولانا امین احسن اصلاحی کے الفاظ درج کرائے۔ گویا ان کے نزدیک ان کا اصلی شرف اور اصلی امتیاز یہی تھا۔ وہ اسی کو اپنے لیے سرمایۂ فخر و مباہات سمجھتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ ان کا اگر کوئی تعارف ہے تو یہی ہے۔

خالد مسعود صاحب کوئی بلند آہنگ ادیب و خطیب تو نہیں تھے، لیکن اپنی بات جس سلیقے، جس سلاست اور جس وضوح کے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ساتھ کہتے تھے اور جس کامل ابلاغ کے ساتھ اسے اپنے قاری تک پہنچا دیتے تھے، اس کے بعد یہ بات بجا طور پر کہی جا سکتی ہے کہ وہ عصری اسلوب کے بہت اچھے انشا پرداز تھے۔ اس اسلوب میں انھوں نے مولانا امین احسن کے افکار کو بھی منتقل کیا اور اپنی تحقیقات بھی پیش کیں۔ ان کا عمومی تعارف یہی رہا ہے کہ وہ مولانا امین احسن اصلاحی کے علمی کام کے امین اور اس کے علم بردار ہیں، لیکن جو روایت اس مدرسے نے قائم کی ہے، میں جانتا ہوں کہ انھوں نے اس کے لحاظ سے اپنے استاد کی زندگی میں بھی اور اس کے بعد بھی ان کی بعض تحقیقات سے نہایت شایستہ اور مہذب اسلوب میں اختلاف کیا ہے۔ ایسا نہیں کیا کہ اگر ایک حقیقت واضح ہو گئی ہے تو اسے محض اس لیے ایک طرف رکھ دیں کہ یہ ان کے جلیل القدر استاذ کے نقطۂ نظر یا رائے کے خلاف ہے، بلکہ اس کا برملا اظہار کر دیا اور یہ بتا دیا کہ ان کی رائے اس معاملے میں یہ ہے۔

دنیا میں ایک باصلاحیت انسان جن چیزوں کے خواب دیکھ سکتا ہے، وہ ان کے قریب سے بھی نہیں گزرے۔ ایک شان استغنا کے ساتھ انھوں نے زندگی بسر کی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی زندگی اس بات کی عملی تصویر تھی کہ:

کس لیے چاہوں یہ دنیا کی ستایش کیا ہے

منتظر ہوں تو فقط ان کی پزیرائی کا

ان کے طرز عمل میں، ان کی گفتگو میں، ان کی بات چیت میں یہ چیز نمایاں ہوتی تھی۔ اس پراپیگنڈے کے دور میں جب معلوم نہیں لوگ دنیا تک اپنے آپ کو پہنچانے کے لیے کیا کچھ کرتے ہیں، ایک شخص اس درجے میں اس دنیا سے بے نیاز ہو کر اپنی زندگی بسر کر سکتا ہے اور اول و آخر اس کی تمنا یہی ہوتی ہے کہ اگر اس کو پزیرائی حاصل ہو تو صرف اس کے مالک کی نگاہ میں ہونی چاہیے۔

خالد مسعود صاحب کا آخری اور عظیم کارنامہ ان کی تالیف ''حیات رسول امی'' ہے۔ مولانا شبلی نے بھی اپنی آخری کتاب سیرت النبی ہی پر لکھی تھی اور یہ کہا تھا کہ:

عجم کی مدح کی، عباسیوں کی داستاں لکھی

مجھے چندے مقیم آستان غیر ہونا تھا

مگر اب لکھ رہا ہوں سیرت پیغمبر خاتم

خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا

خالد مسعود صاحب کو یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ انھوں نے نہ عجم کی مدح کی نہ عباسیوں کی داستاں لکھی۔ قرآن اور قرآن کی خدمت سے ابتدا کی اور خاتمہ بالخیر حیات رسول امی پر ہوا۔ مدرسۂ فراہی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ کے قانون رسالت کو جس انداز سے دریافت کیا ہے، اس سے بے شمار لاینحل عقدے کھلے ہیں، بہت سی غلطیوں کی اصلاح ہوئی ہے، بہت سی غلط تعبیرات جو عالم اسلام میں پھیل گئی تھیں، ان کی تردید کے مواقع فراہم ہوئے ہیں۔ یہ کوئی

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

معمولی واقعہ نہیں ہے۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ جس طرح شبلی نعمانی کی سیرت النبی پر سیرت کی قدیم روایت ختم ہوئی ہے، اسی طرح حیات رسول امی سے سیرت کی نئی روایت شروع ہوئی ہے۔ اس میں رسول اللہ کی شخصیت کو ایک نئے زاویے سے سامنے رکھ کر آپ کی پوری سیرت کو بیان کیا گیا ہے۔ اگر آپ اس کا مطالعہ کریں تو آپ یہ دیکھیں گے کہ کئی مقامات پر مانی ہوئی چیزوں پر نہایت اعلیٰ علمی تنقید کر کے غلطی واضح کی ہے۔ ایسے تصورات کی اصلاح کی ہے، جو سیرت نگاری کا سلسلہ غزوات سے شروع کیا۔ وہ اس ضمن میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کی علمی تردید کرنا چاہتے تھے۔ اسی دوران میں انھوں نے سیرت کی ایک پوری کتاب مرتب کرنے کا پروگرام بنایا۔ اس زمانے میں وہ بہت ناتواں ہو چکے تھے، اس لیے یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ کام کا حق آخری درجے میں ادا ہو گیا، لیکن ابتدا کرنے والے کا شرف معمولی نہیں ہوتا۔ انھوں نے سیرت نگاری کو ایک نیا رخ دے دیا ہے۔ اب امید کی جا سکتی ہے کہ آیندہ آنے والے لوگ اس موضوع پر مزید کام کریں گے اور جس عمارت کی نیو انھوں نے اٹھائی ہے، اس کو اس کے منتہاے کمال تک پہنچانے کی کوشش کریں گے۔

استاذ گرامی کے ساتھ ان کی محبت، ان کا تعلق خاطر ان کی تالیفات کے ورق ورق سے عیاں ہے۔ جس طرح انھوں نے ان کے خطبات، ان کی تقریروں اور ان کی تحریروں کو مرتب کیا ہے، یہ انھی کا کام تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے ہوتے ہوئے ہم یہ خیال کرتے تھے کہ یہ کام بس انھی کا ہے اور انھی کو کرنا چاہیے۔ اس کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی تھی کہ ہم جیسے طالب علم بھی اس کے لیے کوئی مشقت اٹھائیں۔ اب وہ چلے گئے ہیں تو یہ احساس ہوتا ہے کہ اگر کچھ کام باقی رہ گیا ہے تو اس کے لیے ہم کس درجہ پیچھے کے لوگ ہیں اور ہماری صفوں کا وہ کیسا میر کارواں تھا جو روانہ ہو گیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جب آدمی دنیا سے رخصت ہوتا ہے اور اپنے پروردگار کے حضور میں پہنچتا ہے تو اگر اس نے اپنی زندگی حسنات کے ساتھ بسر کی ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کا رزق، اس کی عنایت اور اس کے افضال حاصل ہوتے ہیں۔ ہم خالد مسعود صاحب کے بارے میں یہی تصور رکھتے ہیں۔ اگر ان افضال وعنایات میں استاذ امام امین احسن اصلاحی کے ساتھ ان کی ملاقات بھی شامل ہو تو وہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر یقیناً یہ کہہ سکتے ہیں کہ:

میں نے کلک وفا سے لکھا ہے
تیرے ہر رہ گزر پر اپنا نام

(مرتب: منظور الحسن)

---

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

مجیب الرحمٰن شامی/معظم صفدر

خالد مسعود کی یاد میں

[یہ روزنامہ ''پاکستان'' کے چیف ایڈیٹر جناب مجید الرحمٰن شامی کی تقریر ہے، جو خالد مسعود صاحب کی یاد میں منعقدہ تعزیتی اجلاس میں کی گئی]

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

خالد مسعود صاحب سے مجھے کوئی دوستی کا دعویٰ نہیں ہے، لیکن میں ان کا ایک ادنیٰ قاری اور طالب علم ضرور رہا ہوں۔ ان کی شخصیت کے بارے میں، ان کے علم کے بارے میں، ان کے کردار کے بارے میں، ان کی گفتار کے بارے میں، بہت گفتگو ہو چکی، میں اس میں اضافہ نہیں کر سکتا۔ جو شخص اس دنیا میں آیا ہے، اسے بالآخر اس دنیا سے جانا ہے۔

خالد مسعود صاحب نے زندگی کو بہترین انداز سے صرف کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں جو صلاحیت عطا فرمائی تھی، اس کا انھوں نے بہترین استعمال کیا۔ وہ ہمارے درمیان سے رخصت ہوئے ہیں تو حقیقت یہ ہے کہ وہ رخصت نہیں ہوئے، بلکہ ہم ان کے کام سے استفادہ کرتے رہیں گے، ان کے افکار سے رہنمائی لیتے رہیں گے۔ فکر فراہی و اصلاحی میں ان کی جو حیثیت و اہمیت تھی اور ان کے بعد جاوید احمد صاحب غامدی کا جو مقام و مرتبہ ہے، اس سے کوئی بھی شخص انکار نہیں کر سکتا۔

آج ملت اسلامیہ میں اسلام کی تعبیر و تشریح کے حوالے سے ایک خلفشار برپا ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ بڑے بڑے اسلام کے نام لیوا، جن کی وجہ شہرت ہی اسلام ہے، اسلام کے سامنے جھکنے کے لیے تیار نہیں ہیں، بلکہ اسے اپنے سامنے جھکانے کے درپے ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ ہمیں ایسے رہنماؤں، ایسے لیڈروں اور ایسے دانش وروں سے پالا پڑا ہوا ہے جن کا دعویٰ اور مطالبہ ہی یہ ہے کہ جو ان کی زبان سے نکلا ہے، وہ اسلام ہے اور جو ان کی زبان سے نہیں نکلا، وہ اسلام نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گزشتہ نصف صدی میں بہت سے ایسے واقعات ہمارے سامنے گزرے ہیں کہ اپنی خواہشات، تعبیرات اور معاملات کو اسلام کا نام دے دیا گیا۔ مولانا اصلاحی نے ایسی ہی ایک صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اہل سیاست نے

اپنے لیے ایسا اسلام وضع کیا ہے جو ان کے ساتھ لوٹنیاں کھاتا پھرتا ہے، جو وہ نقطۂ نظر اختیار کرتے ہیں، اسلام بھی انگلی پکڑ کر ساتھ ساتھ چلنے پر مجبور ہوتا ہے۔

بین الاقوامی سطح پر بے شمار ایسے معاملات ہیں جن پر ٹھنڈے دل سے غور وفکر کرنے اور اسلام کی تعلیمات سے روشنی حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ اسلام کی تعلیمات سے علم حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ خالد مسعود صاحب ہمارے معاشرے کے ان افراد میں سے تھے جو اسلام کو گھوڑا بنا کر اس پر سواری کرنے کا شوق نہیں رکھتے تھے، بلکہ اسلام کے مطالبوں اور تقاضوں کی تحقیق وجستجو میں لگے رہتے اور پھر معاشرے کو اس کے مطابق ترتیب دینے کی کوشش کرتے تھے۔ ایسے افراد کی مثال ریشم کے کیڑے کی سی ہے۔ ریشم کا کیڑا یہ خصوصیت رکھتا ہے کہ وہ ریشم چھوڑ جاتا ہے، لیکن خود ختم ہو جاتا ہے۔ آج اسلام کو ایسے ہی سپاہیوں کی ضرورت ہے، ایسے ہی مجاہدوں کی ضرورت ہے، ایسے ہی دانش وروں کی ضرورت ہے اور ایسے ہی عالموں کی ضرورت ہے جو خالص اسلام کو ہمارے سامنے پیش کر سکیں۔ اپنی سیاست یا اپنی خواہشات کے تابع معاملات کی تعبیر نہ کریں۔

میرے نزدیک فکرِ فراہی کا اصل امتیاز یہ ہے کہ اس نے یہ بات پوری شدت سے کہی ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ اس کے علما نے علم وعمل میں اس کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس مکتب فکر کے لوگ ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں، لیکن ایک دوسرے کا احترام بھی کرتے ہیں۔ یہاں آنکھیں بند کرنے کا نام عقیدت ومحبت نہیں ہے۔ آج اسلام اور پاکستان کو اسی رویے کی ضرورت ہے اور یہی وہ رویہ ہے جس کی بنا پر ہم اسلام کی حقیقی تعبیر پیش کر سکیں گے۔ عقیدت واحترام کے باعث آج سے چھ سات سو سال پہلے کی مرتب کردہ فقہ کو نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ اس نفاذ پر اصرار کرنے والا میرے نزدیک نہ اسلام کا ادراک رکھتا ہے اور نہ وہ کبھی اسلامی اقدار پر کسی معاشرے کی تشکیل کر سکتا ہے۔ اس تناظر میں ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستانی معاشرے کے ماحول، مزاج اور عصر حاضر کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اسلام کی اصل تعبیر اور تشریح کی جائے۔ یہی وہی کام ہے جس کی طرف علامہ اقبال نے بار بار اشارہ کیا تھا، یہ وہی کام ہے جس کی ضرورت ہم سب محسوس کرتے رہتے ہیں اور یہ وہی کام ہے جو آج کرنے کا ہے۔

خالد مسعود صاحب، ہمارے بھائی، ہمارے رہنما اور ہمارے ساتھی، ہمارے درمیان سے اٹھ کر گئے ہیں تو ہمیں اندازہ ہوا ہے کہ ان کے جانے سے کتنا بڑا خلا پیدا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور جیسا کہ اقبال نے کہا ہے کہ:

خدا یا آرزو میری یہی ہے
مرا نور بصیرت عام کر دے

اللہ تعالیٰ ان کا نور بصیرت عام کرے اور ہم سب کو اپنے نفس کی پیروی سے توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

---

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

معظم صفدر

علامہ خالد مسعود اور ان کی خدمات

علامہ خالد مسعود یکم اکتوبر ۲۰۰۳ کو رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وہ صاحب ''تدبر قرآن'' امام امین احسن اصلاحی کے شاگرد رشید تھے اور ان کے فکر کے ترجمان تھے۔ ان کے رخصت ہو جانے سے علم کی دنیا میں ایک بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔

جناب خالد مسعود ۱۹۳۵ء کو جہلم کے ایک گاؤں للہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد محمد اسماعیل صاحب سے اور مقامی اسکول سے حاصل کی۔ ایف ایس سی اور بی ایس سی گورنمنٹ کالج، سرگودھا اور گورنمنٹ اسلامیہ کالج، لاہور سے کی۔ پھر پنجاب یونیورسٹی سے کیمسٹری میں ایم ایس سی کی ڈگری حاصل کی۔ مزید تعلیم کے حصول کے لیے لندن چلے گئے، جہاں سے کیمیکل انجینئرنگ میں ڈپلوما حاصل کیا۔ لاہور میں کسب معاش کے لیے پہلے نظامت صنعت اور بعد ازاں قائداعظم لائبریری میں سرکاری ملازمت اختیار کی۔ اس زمانے میں انھوں نے سائنسی علوم میں خاصی دلچسپی لی اور مختلف موضوعات پر بچوں کے لیے متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ اس کے علاوہ نیوٹن، فرانسس بیکن اور برٹینڈ رسل کی بعض معروف کتابوں کے تراجم بھی کیے۔ اسلامی علوم کے حوالے سے دیکھا جائے تو خالد مسعود صاحب نے علوم اسلامیہ میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے کی ڈگری حاصل کی اور مولانا امین احسن اصلاحی سے عربی ادب، قرآن اور حدیث کے علوم کی باقاعدہ تحصیل کی۔

خالد مسعود صاحب نے نہایت گراں قدر تحقیقی اور تصنیفی کام کیا۔ اس ضمن میں ان کا بیش تر کام امام حمید الدین فراہی اور امام امین احسن اصلاحی کے افکار کی شرح و وضاحت پر مبنی ہے۔ تحریری اعتبار سے ان کا کام ترجمہ و تہذیب، ترتیب و تدوین اور تصنیف و تالیف، تینوں پہلوؤں سے ہے۔ اسے دیکھ کر یہ بات بجا طور پر کہی جا سکتی ہے کہ بلاشبہ، انھوں نے فکر فراہی کی ترویج و اشاعت میں عظیم خدمات سرانجام دیں۔

خالد مسعود صاحب ابتدا ہی سے دینی رجحان رکھتے تھے، انھیں مذہب سے خاص لگاؤ تھا۔ مولانا اصلاحی کا ایک لیکچر سن کر وہ بہت متاثر ہوئے اور باقاعدہ ان کی درس و تدریس کی مجالس میں شریک ہونے لگے۔ یہیں سے ان میں خدمت دین کا

جذبہ اجاگر ہوا اور انھوں نے سائنسی شعبہ سے کنارہ کشی کر کے خود کو دین کی خدمت کے لیے وقف کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ مولانا اصلاحی نے جب ''حلقۂ تدبر قرآن'' قائم کیا تو وہ اس میں بہت شوق کے ساتھ شامل ہوئے۔ وہ خود بیان کرتے ہیں:

''۱۹۶۰ء کی دہائی کے آغاز میں مولانا امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ نے کچھ نوجوانوں کو دین کی تعلیم دینے کے لیے 'حلقۂ تدبر قرآن'، منظم کیا جو چند سالوں تک قائم رہا۔ میں نے اس حلقہ میں شامل ہو کر مولانا سے عربی سیکھی، قرآن وحدیث پر غوروفکر کی تربیت پائی اور دین کا فہم حاصل کیا۔ بعد میں یہ حلقہ تو حوادث کا شکار ہو گیا، لیکن مولانا کی ذات، ان کے علمی مشاغل اور ان کے طرز فکر کے ساتھ فی الجملہ میرا تعلق قائم رہا۔'' (حیات رسول امی ۹)

مولانا امین احسن اصلاحی نے نومبر ۱۹۸۰ء میں ''ادارۂ تدبر قرآن وحدیث'' قائم کیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ امت کے ذہین طبقے کو مخاطب کیا جائے اور اسے قرآن وحدیث کا حقیقی فہم حاصل کرنے کی طرف متوجہ کیا جائے۔ اس ضمن میں یہ کام متعین کیے گئے کہ قرآن مجید پر اس انداز سے تحقیقی کام کیا جائے کہ وہ علوم وافکار کے لیے کسوٹی اور حق وباطل میں امتیاز کر دینے والی کتاب بن جائے؛ حدیث کو قرآن کی روشنی میں سمجھا جائے اور اس کی بنا پر پیدا ہونے والے گروہی اختلافات کو حل کیا جائے؛ جید علما تیار کرنے کے لیے اعلیٰ عربی زبان کی تعلیم دی جائے؛ جدید نظریات کو قرآن وسنت کی روشنی میں پرکھا جائے؛ تہذیب وتمدن کے مسائل کا اسلامی نقطۂ نظر سے جائزہ لیا جائے؛ علمی وتحقیقی ضرورتوں کے پیش نظر ایک لائبریری کا قیام عمل میں لایا جائے اور تحقیقات وافکار کی اشاعت کے لیے علمی جریدہ اور مکتبہ کا انتظام کیا جائے۔

اس ادارے کے صدر مولانا امین احسن اصلاحی اور ناظم جناب خالد مسعود منتخب ہوئے۔ ادارے کے قیام اور اس کی تنظیم کے بارے میں خالد مسعود صاحب لکھتے ہیں:

''تفسیر تدبر قرآن کی تکمیل کے بعد مولانا نے مخلصین اور احباب کے مشورہ سے یہ فیصلہ کیا کہ حلقۂ تدبر قرآن کو وسعت دے کر کوشش کی جائے کہ وہ بالتدریج تمام اسلامی علوم کی تحقیق وتنقید کے لیے ایک انسٹی ٹیوشن کی حیثیت حاصل کر لے۔ اس فیصلہ کے تحت مولانا نے تین ارکان ـــــ جاوید احمد صاحب، ماجد خاور صاحب اور راقم پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل کر دی جو مجوزہ ادارہ کے لیے ایک دستور مرتب کرے۔ اس کمیٹی کے دستور کو ان رفقاء کے ایک اجلاس میں پیش کیا گیا جو ادارہ کے مقاصد سے متفق تھے۔ انھوں نے غوروفکر کے بعد اس دستور کو معمولی ترامیم کے ساتھ قبول کر لیا۔ چنانچہ یکم محرم الحرام ۱۴۰۱ مطابق ۱۰ نومبر ۱۹۸۰ کو ادارۂ تدبر قرآن وحدیث، وجود میں آیا جس کے رکن اول مولانا امین احسن اصلاحی ہیں۔...

مجلس عاملہ نے کثرت رائے سے راقم کو ادارہ کے انتظامی معاملات سرانجام دینے کے لیے ناظم منتخب کیا۔ اس کے بعد علمی معاملات میں ادارہ کی رہنمائی کے لیے مجلس علمی کا انتخاب ہوا جس میں حسب ذیل ارکان منتخب ہوئے:

مولانا امین احسن اصلاحی، جاوید احمد، خالد مسعود، ماجد خاور، عبد اللہ غلام احمد۔

ان ارکان نے مولانا امین احسن اصلاحی کو اپنا صدر چنا اور اس طرح دستور کی رو سے مولانا مدظلہ 'ادارۂ تدبر قرآن و حدیث' کے سربراہ ہیں۔'' (تدبر، جولائی ۸۱، ۷۔ ۸)

مولانا امین احسن اصلاحی کی علمی تحقیقات کی اشاعت کے لیے ایک باقاعدہ مجلّہ کی ضرورت تھی جس کے ذریعے سے ان کی تحقیقات وافکار کو تعلیم یافتہ طبقے تک پہنچانا ممکن ہو۔ اس مقصد کے پیش نظر ادارۂ تدبر قرآن وحدیث کے تحت سہ ماہی ''تدبر'' کا اجرا ہوا۔ یہ رسالہ مولانا اصلاحی کی سرپرستی میں نکلنا شروع ہوا اور خالد مسعود صاحب اس کے مدیر مقرر ہوئے۔ انھوں نے رسالے کی ادارت کے فرائض نہایت خوبی کے ساتھ انجام دیے۔ دینی جرائد میں ایک معتبر اور منفرد جریدے کی حیثیت سے نمایاں ہوا۔ اس میں قرآن وحدیث کی شرح ووضاحت کے علاوہ دوسرے علمی موضوعات پر بھی تحقیقی مباحث شائع ہوتے رہے۔ اس میں سوالوں کے جواب بھی ایسے مدلل انداز سے دیے جاتے کہ وہ بھی تحقیقی مقالے کی حیثیت اختیار کر جاتے۔ اس کا ہر شمارہ ابتدا سے انتہا تک فکر فراہی کا ترجمان ہوتا۔ خالد مسعود صاحب لکھتے ہیں:

> ''رسالہ کی اشاعت کے آغاز ہی سے ہمارے سامنے یہ مقصد رہا ہے کہ اس کو فکر فراہی کی ترویج کا ذریعہ بنایا جائے اور اس ضمن میں مولانا امین احسن اصلاحی مدظلہ جو کام کر رہے ہیں، لیکن کبرسنی کے باعث اس کو سپرد قلم کرنے سے قاصر ہو رہے ہیں، اس کو مرتب کر کے اس کے قدر دانوں تک پہنچایا جائے۔ خدا کا شکر ہے کہ ''تدبر'' کے ذریعہ سے یہ کام خاصی مقدار میں ہو گیا ہے۔'' (تدبر، دسمبر ۸۹، ۳)

مولانا اصلاحی کی تفسیر ''تدبر قرآن'' کو تفاسیر میں ایک غیر معمولی مقام حاصل ہے۔ ۹ ضخیم جلدوں پر مشتمل یہ تفسیر اگرچہ ابھی عام لوگوں تک نہیں پہنچی، لیکن ارباب علم ودانش اس کے بلند پایہ مقام ومرتبے سے پوری طرح باخبر ہیں۔ مولانا اصلاحی کے ترجمۂ قرآن کو عام کرنے کے لیے اس بات کی ضرورت تھی کہ اسے تفسیر سے الگ کر کے شائع کیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ مولانا کے منفرد طرز فکر کی وجہ سے یہ بھی ناگزیر تھا کہ ترجمے کے تحت تفسیر سے ماخوذ مختصر حواشی درج کیے جائیں۔ خالد مسعود صاحب نے یہ کام نہایت احسن طریقے سے انجام دیا۔ ان حواشی کی نوعیت کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

> ''ترجمہ کے نیچے مختصر حواشی دیے گئے ہیں۔ یہ ان مقامات پر ہیں جہاں قاری ذرا وضاحت کے بعد مفہوم بہتر طور پر اخذ کر سکتا ہے۔ یہ حواشی مولانا کی تفسیر سے ماخوذ اور بیش تر انھی کے الفاظ میں ہیں۔ ان کی بدولت قاری مولانا کے افکار اور ان کی اہم تحقیقات سے کسی قدر واقف ہو سکے گا۔... حواشی کے بابت یہ بتانا بے محل نہ ہوگا کہ راقم مولانا اصلاحی سے تلمذ کی نسبت رکھتا ہے اور سورۂ نور تک کے حواشی مولانا کی حیات ہی میں قسط وار ان کے رسالہ ''تدبر'' میں شائع ہوتے رہے اور انھوں نے بارہا ان کی تحسین فرمائی۔'' (ترجمۂ قرآن ۵)

خالد مسعود صاحب نے امام حمید الدین فراہی کی عربی تصانیف ''حکمت القرآن''، ''النظام فی الدیانۃ الاسلامیہ'' اور ''اصول تفسیر قرآن'' کا اردو میں ترجمہ کیا۔ یہ کتابیں اگرچہ نہایت دقیق فنی اسلوب میں لکھی گئی ہیں، مگر خالد مسعود صاحب نے انھیں ممکن حد تک سہل کر کے پیش کیا۔ امام فراہی کی ان کتابوں کے اصل مسودات مرتب نہیں تھے، لیکن خالد مسعود صاحب نے انھیں نہایت خوبی کے ساتھ ترتیب دیا۔

خالد مسعود صاحب نے مولانا امین احسن اصلاحی کے مضامین، خطبات اور دیگر افادات کی روشنی میں ''مقالات اصلاحی''،

''تفہیم دین''، ''مبادی تدبر حدیث''، ''شرح صحیح بخاری''، ''شرح موطا امام مالک'' اور ''فلسفے کے بنیادی مسائل'' جیسی بلند پایہ کتب ترتیب دیں۔ ''تفہیم دین'' کے عنوان سے آپ نے مولانا اصلاحی کے ان خطوط کو مرتب کیا ہے جو انھوں نے سائلین کے جواب میں لکھے۔ اسی طرح ''مقالات اصلاحی'' میں آپ نے مولانا اصلاحی کے بعض اہم مقالات کو کتابی شکل دی ہے۔ مولانا اصلاحی نے آخری عمر میں ضعف و ناتوانی کے باوجود موطا و بخاری کے دروس دیے۔ خالد مسعود صاحب اور سعید احمد صاحب انھیں کتابی صورت میں مرتب کیا۔ دروس سے ماخوذ تحریریں مولانا اصلاحی کی زندگی میں ان کی نظر سے بھی گزرتی رہیں۔ خالد مسعود صاحب لکھتے ہیں:

''ان دروس کا معتدبہ حصہ مولانا کی حیات میں ''ادارۂ تدبر قرآن وحدیث'' کے ترجمان رسالہ ''تدبر'' میں چھپا اور برابر ان کی نظر سے گزرتا رہا۔ مولانا نے اس کوشش پر ہمیشہ اطمینان کا اظہار کیا۔'' (تدبر حدیث، شرح موطا امام مالک ۱۱)

خالد مسعود صاحب نے سیرت نگاری کے باب میں ایک نئے طرز فکر کو پیش کیا۔ اس کے مطابق سیرت کا سب سے اہم ماخذ روایات و آثار نہیں، بلکہ قرآن مجید ہے۔ اس نقطۂ نظر کی تفصیل انھوں نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''قرآن اور رسول حقیقت میں ایک ہی ہیں۔ ایک الفاظ کی شکل میں ہے تو دوسرا انسانی جسم کی شکل میں ہے۔ قرآن پڑھیے تو اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وصفات، آپ کی بعثت کے کوائف، دعوت دین کے مراحل، ہجرت، جنگوں کے واقعات، مشرکین اور یہود کے ساتھ اہم بحثوں اور حضور کی زندگی سے متعلق دیگر موضوعات کا بیان ملتا ہے۔ ایک آدمی قرآن کا مطالعہ غور سے کرے تو وہ سیرت النبی کے تمام ضروری مباحث سے آگاہی حاصل کر لیتا ہے۔ اسی لیے یہ بات علمی حلقوں میں مانی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پاک یا سیرت کا سب سے اہم ماخذ قرآن مجید ہے۔ اس کے بعد احادیث صحیحہ اور اولین کتب سیرت کا مطالعہ اس کے ماخذ کی حیثیت سے رہنمائی دیتا ہے۔ اس اعتراف کے باوجود عملاً یہ دیکھا گیا ہے کہ حضور کے جدید سیرت نگاروں نے ماضی میں لکھی گئی کتب سیرت ہی پر اعتماد کیا ہے۔ جن لوگوں نے قرآن سے استفادہ کیا ہے، وہ بالعموم محض آیات کو نقل کر دیتے ہیں، ان سے سیرت نگاری میں مدد نہیں لیتے۔ اس لیے نقل کردہ آیات بے ربط سی نظر آتی ہیں۔'' (حیات رسول امی ۱۱)

یہ کتاب اگرچہ مولانا اصلاحی کی زندگی میں منظر عام پر نہیں آئی، مگر اس کی تالیف کے لیے ایک موقع پر مولانا اصلاحی نے خالد مسعود صاحب ہی کا نام تجویز کیا تھا۔ خالد صاحب لکھتے ہیں:

''شاید یہ ۱۹۶۷ء کا سال تھا کہ مولانا رحمہ اللہ کے ایک دوست نے ان سے قرآن مجید کی روشنی میں سیرت النبی پر ایک کتاب لکھنے کی فرمایش کی اور کہا کہ اگر آپ یہ کام کر سکیں تو ایک بڑی علمی و دینی خدمت ہوگی۔ مولانا نے فرمایا کہ بلاشبہ یہ ایک اچھی تجویز ہے اور میں اس کی ضرورت کا بھی قائل ہوں، لیکن میں نے تفسیر قرآن لکھنے کا جو بیڑا اٹھایا ہے، وہ اس وقت میری ہمہ تن مشغولیت کا تقاضا کرتا ہے اور میں اس مرحلہ میں اس سے صرف نظر نہیں کرنا چاہتا۔ ان صاحب نے پوچھا کہ آپ نے جن طلبہ کو پڑھایا ہے، کیا ان میں سے کوئی اس کام سے عہدہ برا ہونے کی استعداد رکھتا ہے۔ مولانا نے اس کے

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

جواب میں میرا نام لیا۔ مولانا کے اس جواب پر میں دل ہی دل میں ہنسا کہ من آنم کہ من دانم، مولانا میرے بارے میں کس قدر خوش فہمی میں مبتلا ہیں۔'' (حیات رسول امی ۹)

خالد مسعود صاحب اس انداز فکر کا پورا شعور رکھتے تھے جسے امام حمید الدین فراہی نے فہم دین کے حوالے سے پیش کیا۔ ''فکر فراہی'' کے زیر عنوان انھوں نے باقاعدہ ایک مضمون تحریر کیا اور اس میں نہایت جامع انداز سے اس فکر کا تعارف کرایا۔ لکھتے ہیں:

''مولانا فراہی نے جو فکر دیا، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید کلام اللہ ہونے کی حیثیت سے دوسری ہر چیز پر حاکم ہے، لہٰذا دوسرے تمام علوم قرآن کے تابع ہیں۔ ہر وہ علم جس کا تعلق قرآن کے موضوع سے ہے، اسی سے مستنبط ہونا چاہیے۔ اس کی بنیادیں قرآن کی دی ہوئی ہدایت پر استوار ہونی چاہییں۔ چنانچہ فقہ ہو یا کلام، فلسفہ ہو یا دوسرے عمرانی علوم، مولانا فراہی ہر علم کو اس بنیاد پر جانچتے ہیں جو قرآن مجید نے مہیا کیا ہے۔ سنت رسول اللہ کے نزدیک دین کی بنیادوں میں سے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے احکام خود قرآن ہی سے مستنبط ہیں۔ علم روایت حدیث میں محدثین کی خدمات کو مولانا فراہی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ البتہ روایت میں چونکہ انسانی کوششوں کو دخل ہے، یہ قرآن کی طرح محفوظ نہیں اور محدثین کے اصول کے مطابق اس میں صدق و کذب دونوں کا احتمال ہوتا ہے، اس لیے مولانا فراہی اس بات کے قائل ہیں کہ روایت کو قرآن پر پرکھنا چاہیے اور قرآن پر حاکم نہیں، بلکہ اس کا محکوم سمجھنا چاہیے۔ ان کی مطبوعہ کتابوں یا غیر مطبوعہ مسودات میں قرآن کی بالاتری کا پیغام نہایت واضح ہے۔... فکر فراہی دین کی تمام بنیادوں کو مانتے ہوئے قرآن و حدیث، فقہ، کلام ہر چیز کو اس کی صحیح جگہ دینے کی ایک کوشش کا نام ہے۔ اس میں ہر بات دلیل سے کرنے کا رواج ڈالا گیا ہے۔ اس کی مخالفت اسی طرح کی جا سکتی ہے جس طرح ہر علمی چیز کی کی جا سکتی ہے۔ آپ دلیل کا جواب دلیل سے دیجیے، بحث سے نکات اٹھائیے تو یہ اختلاف علم کی ترقی کا باعث اور ان شاء اللہ امت کے لیے باعث رحمت ہوگا۔'' (تدبر، دسمبر ۷۸، ۴)

خالد مسعود صاحب نے تمام عمر دین کو سمجھنے اور سمجھانے میں گزاری۔ جس بات کو حق جانا، اس پر حقیقی معنوں میں عمل پیرا رہے اور جس کو خلاف دین و شریعت سمجھا، ہمیشہ اس سے گریز کیا۔ جدید سائنسی علوم میں مہارت اور دلچسپی رکھنے کے باوجود آپ نے اپنے لیے جس راہ کا انتخاب کیا، اس میں یقیناً مشیت ایزدی کا خصوصی دخل ہے۔ وہ دبستان فراہی کے ائمہ امام حمید الدین فراہی اور امام امین احسن اصلاحی کی پیروی میں علم اور تقویٰ، دونوں کا مجسم نمونہ تھے۔ مختصر سی زندگی میں انھوں نے دین کے طالب علموں کے لیے ایسے نشانات قدم چھوڑے ہیں جن پر چل کر حق و صداقت کی منزل تک رسائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ ان کے علم و عمل کو دیکھیں تو یہ بات بجا طور پر کہی جا سکتی ہے:

وہ حق کی صداقت کی تصویر تھے
وہ انساں کے خوابوں کی تعبیر تھے

طالب محسن

خالد مسعود کی رحلت

صاحب سیرت وکردار علما کی ہمیشہ کمی رہی ہے۔ ہمارا یہ زمانہ بطور خاص رجال خیر وصلاح کے قحط کا زمانہ ہے۔ خالد مسعود صاحب مرحوم ان چند افراد میں سے ایک تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے دین کا علم بھی دیا تھا اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بھی بخشی تھی۔

وہ قرآن کے عالم تھے۔ وہ حدیث کے عالم تھے۔ ان کی اسلامی تاریخ پر اچھی نظر تھی۔ ان موضوعات پر ان کا وقیع علمی کام کتابوں کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ لیکن اس جلالت علمی کے باوجود ان کی شخصیت انتہائی سادہ تھی۔ کوئی طنطنہ اور طمطراق یا علم کا زعم، اس طرح کی کسی چیز کی پرچھائیں بھی ان کی شخصیت پر نظر نہیں آتی تھی۔ ہاں ان کے لیے فخر کی بات اور ان کا سرمایۂ حیات ایک ہی بات تھی اور وہ یہ کہ وہ مولانا امین احسن اصلاحی کے شاگرد تھے۔

بلاشبہ، وہ مولانا امین احسن اصلاحی کے لائق شاگرد تھے انھوں نے ان سے علوم اسلامی کی تحصیل کی اور پھر ساری عمر ان کے افکار کی خدمت میں صرف کر دی۔ روزی کمانے کے جھنجھٹ کے بعد ان کی ساری سرگرمیوں کا محور و مرکز مولانا امین احسن اصلاحی تھے۔ استاد کی شخصیت میں گم ایسے شاگرد دنیا نے کم ہی دیکھے ہوں گے۔

ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم شخصیت کی عظمت کا اندازہ اس کی شہرت اور ناموری سے کرتے ہیں۔ ایسے گوشہ گیر جو علم کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے ہوئے ہوں، زمانے کی نگاہ میں نہیں آتے۔ سچی عظمت کیا ہے کہ آدمی خدا کا سچا بندہ ہو اور اعلیٰ اخلاقی اوصاف سے متصف ہو۔ خالد مسعود ہر اعتبار سے ایسے ہی عظیم لوگوں میں شمار کیے جانے کے لائق تھے۔

موحوم کا علمی کام اور ان کی دینی خدمات ان کے خیر کو جاری رکھیں گی۔ ہم دعا گو ہیں کہ اللہ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ ان کے حسنات کو قبول فرمائے۔ ان کی کمزوریوں اور لغزشوں سے درگزر فرمائے۔ انھیں اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمائے۔ جیسا ان کا چہرہ دنیا میں روشن و تاباں تھا، ایسا ہی آخرت میں روشن و تاباں رہے۔

ڈاکٹر ام کلثوم

ہمارے ماموں جان

ہم انھیں ماموں چن جی کہتے تھے۔ بعد میں جب ''چندا ماموں'' والی نظم پڑھی تو بڑی مدت تک اس مخمصے میں رہے کہ نظم لکھنے والے کو کس طرح معلوم ہوا کہ ہم اپنے ماموں کو ماموں چن جی کہتے ہیں جو اس نے 'چندا' ہی کو ماموں کہنا شروع کر دیا۔ فی الواقع وہ ہمیں چاند سے بھی زیادہ خوب صورت لگتے تھے، گورے چٹے، متوازن جسم، معتدل قد اور اس پر خوب صورت نرم دھیمی گفتگو۔ ہم جب بھی للہ ّ اپنے ننھیال جاتے، اگر وہ وہاں ہوتے تو ضرور ہمیں اسٹیشن سے لینے آتے۔ ہمیں ان کا یوں لینے آنا اس لیے اچھا لگتا کہ پھر ان کے کندھوں پر سوار ہو کر گھر جانے کا لطف ہی کچھ اور تھا۔ راستہ بھر ہنستے مسکراتے چھوٹی چھوٹی باتیں کرتے ہم مزے سے گھر پہنچ جاتے جہاں نانی اماں ہماری منتظر ہوتیں۔

مجھے وہ منظر بھی کبھی نہیں بھولتا جب ماموں للہ ّ سے روانہ ہوتے۔ نانی اماں انھیں گھر سے رخصت کر کے چھت پر چلی جاتیں، انھیں گلیوں میں سے گزر کر اسٹیشن پر جاتے دیکھتیں اور پھر اس وقت تک اوپر رہتیں، جب تک ریل گاڑی انھیں لے کر نظروں سے اوجھل نہ ہو جاتی۔ اس دوران میں وہ مسلسل کچھ پڑھ پڑھ کر دم کر رہی ہوتیں۔

ماموں ہمارے لیے ایک معیاری شخصیت رہے۔ وقار، سادگی، نفاست، متانت، خوش مزاجی، نرم گفتاری، تحمل کا پیکر، ان کے ہم راہ نشست ہمیشہ پر لطف رہتی۔ یہ بات اس وقت بھی صحیح تھی جب ہم ان کے کندھوں پر سوار ہوتے اور پھر اس وقت بھی جب ان سے مختلف علمی موضوعات پر گفتگو ہوتی۔ زندگی کی آخری ملاقات تک اس لطف و سرور میں ذرہ برابر تبدیلی نہیں آئی۔ علمی گفتگو میں بالعموم ان کے اظہار خیال کے بعد کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ بعض اوقات رائے کا اختلاف بھی پیدا ہو جاتا۔ ہم اپنے اشکالات ان کے سامنے رکھتے۔ وہ تحمل سے بات سنتے اور اپنے دلائل دیتے۔ لیکن کبھی اپنی رائے ٹھونسنے کی کوشش نہ کرتے۔

وہ ہر ایک سے اس کی ذہنی سطح اور ذوق کے مطابق گفتگو کا سلیقہ رکھتے تھے۔ ہنستے ہنساتے تھے۔ کھلاتے پلاتے تھے۔ ہم

نے انھیں کبھی غصے میں نہیں دیکھا۔ میری سمجھ میں یہ بات اب تک نہیں آئی کہ آخر انھیں غصہ کیوں نہیں آتا تھا۔ شاید اللہ میاں نے ان کے اندر غصے کے جینز ہی نہیں رکھے تھے یا شاید ضبط نفس ہی کمال درجے کا تھا۔ انھیں یہ صفت نانا جی سے وراثت میں ملی تھی۔ ہمارے دوسرے ماموں جان اور امی جان اس معاملہ میں ان سے حیرت انگیز مماثلت رکھتے تھے۔ تحمل، بردباری، معاملہ فہمی، نرمی، خوش مزاجی جیسی خصوصیات ان کی شخصیت کا حصہ تھیں۔ ان پر جھلاہٹ طاری ہوتے ہم نے کبھی نہیں دیکھی۔ کبھی بلند آواز سے چلاتے نہیں سنا۔ ان کی زبان پر ناشایستہ الفاظ کوئی راہ نہ پا سکے۔ بس اتنا ہے کہ جب کسی کی جانب سے بہت ہی اشتعال انگیزی ہوتی تو بالکل خاموش ہو جاتے۔ یہ خاموشی بھی مختصر دورانیے کی ہوتی۔ اشتعال انگیزی ختم ہوتے ہی ان کی بشاشت لوٹ آتی۔

ان کا صبر و تحمل بیماری میں بھی برقرار رہا۔ طویل اور تکلیف دہ بیماری کے دوران میں کئی مرتبہ انھیں کئی کئی دن ہسپتال رہنا پڑا۔ بیماری کی شدت خطرناک حدوں کو چھونے لگتی۔ کئی مریضوں کو ایسی حالت میں دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ بڑے بڑوں کے حواس جواب دے جاتے ہیں، گھبراہٹ طاری ہو جاتی ہے، یاس چھا جاتی ہے، حتیٰ کہ ڈاکٹروں کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں، لیکن ماموں جی کو اس حالت میں بھی ہم نے کبھی خوف زدہ نہیں دیکھا۔ ان کے اطمینان اور سکون کو دیکھ کر ان کے اطبا حیران ہوتے کہ یہ کیسا شخص ہے جس کے لب اف اور ہائے سے قطعی ناآشنا ہیں۔

طبیعت ذرا بہتر ہوتی تو فوراً باتیں شروع ہو جاتیں۔ لکھنے پڑھنے کا سامان ان کے بستر پر پہنچ جاتا اور تیمارداروں کو وہ مزے لے لے کر، ہنس ہنس کر اپنی بیماری کی ساری کیفیت کی روداد سنا رہے ہوتے۔ ڈاکٹروں کی بدحواسی اور پریشانی کی روداد کہتے۔ گویا یہ سب ایک تماشا تھا جو ہوا اور بس ہو گیا۔ میں تو سوچتی ہوں کہ اب بھی اگر اللہ میاں انھیں تھوڑی دیر کے لیے ہمارے پاس بھیج دیں تو وہ مزے لے لے کر ہنستے ہنستے اپنی موت کی کیفیت کا حال سنائیں گے۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام کی فرض شناسی کی داستان کہیں گے کہ سننے والوں کے لیے مرنا آسان ہو جائے گا۔

اللہ نے انھیں بہترین علم عطا فرمایا۔ قرآن پڑھنا پڑھانا ان کا پسندیدہ ترین کام تھا، وہ فنا فی القرآن شخص تھے۔ بلند پایہ کتابیں جمع کرنے کا ذوق رکھتے تھے، لیکن ہر وقت ضخیم کتابوں میں گھرے رہنے والے شخص سے گفتگو کے دوران میں کبھی یہ احساس نہیں ہوا کہ وہ اپنے علم و فضل سے مخاطب کو مرعوب کرنا چاہتا ہے۔ گاؤں کی بوڑھی خواتین بھی ان سے مل کر اتنی ہی فیض یاب ہوتیں جس طرح بڑے بڑے فضلا اور علم کے جویا ان سے فیض یاب ہوتے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ گاؤں کی مسجد کے ایک نیم خواندہ مولوی صاحب گھر کی بیٹھک میں دوران ملاقات میں ایک لمبی تقریر کر رہے تھے۔ ماموں ان کے سامنے یوں سر جھکائے عاجزی سے بیٹھے تھے گویا طفل مکتب ہوں اور مولوی صاحب بڑے فاضلانہ دلائل دے رہے ہوں۔ انھوں نے ایک مرتبہ بھی انھیں نہیں جتایا کہ جو باتیں وہ کر رہے ہیں، ان کی علمی حیثیت کیا ہے۔ ہم اندر بیٹھے اس تقریر پر پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ بعد میں ہم نے ماموں جان سے کہا کہ آخر آپ ان صاحب کی بے سر و پا باتیں کیوں سنتے چلے گئے؟

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

انھوں نے بس اتنا کہا: ''ان صاحب کی تسلی ہوگئی میرا کیا بگڑا!''

مقصد کی لگن، انضباط اوقات، عزم و ہمت، اپنے کام میں انہماک ماموں جی کی خصوصیات تھیں انھیں وقت ضائع کرنا نہیں آتا تھا۔ ان کی زندگی تکاثر اور لہوالحدیث سے پاک زندگی تھی۔ حرص وطمع سے کوسوں دور تھے۔ کسی پریشانی یا تکلیف کو انھوں نے آرام طلبی کا ذریعہ نہیں بنایا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد بھی گھر میں ہر کام کا وقت مقرر تھا، لکھنے پڑھنے کے اوقات یوں مقرر تھے گویا اس دفتر میں حاضری نہ ہوئی تو جواب طلبی ہو جائے گی۔ ان کی کتابیں، لکھنے کی میز، ہر چیز ایک قرینے اور سلیقے سے رکھی ہوتی۔ زندگی کی آخری رات بھی تحریر و تالیف میں مشغول رہے۔ لکھنے کا سامان ان کے سرہانے کی میز پر رکھا تھا، ان کی پنسل ان کے زیر تحریر مسودے پر پڑی تھی۔

کتابوں میں یہ انہماک گھر کے معاملات سے ان کو بے خبر نہ رکھنے پاتا۔ انھیں یہ ہدایت ازبر تھی کہ تم میں سے اچھے وہ ہیں جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھے ہیں۔ گھر والوں کی سہولت اور راحت کا خیال ان سے بڑھ کر کسی کو کرتے نہیں دیکھا۔ باورچی خانے کا کام ہو یا کپڑوں کی دھلائی، وہ ہر جگہ ہاتھ بٹانے کو تیار تھے۔

گھر کی ضروریات پر ان کی نظر رہتی۔ ضرورت کا سودا سلف اور ہر چیز وہ خود ہی لا کر رکھ دیتے۔ جب تک ہمت رہی بازار سے لاتے رہے، زندگی کے آخری ایام میں بھی جہاں تک بن پڑتا یہ ذمہ داری نبھاتے رہے۔

اپنی ذات کے لیے انھوں نے کبھی کسی کو تکلیف نہیں دی۔ بیماری میں مجبوراً انھیں خدمت لینا پڑتی، ورنہ حتی الامکان انھیں اپنا کوئی کام کسی سے کرانا پسند نہ تھا۔ اپنے کام اپنے ہاتھوں سے کر کے اطمینان حاصل کرتے۔

وہ خاندان بھر کے ہر معاملہ میں بہترین مشیر تھے۔ رشتے ناتے طے کرنے جیسے بڑے معاملات اور لباس کی خریداری، رنگ کا خیال، کراکری کی خرید جیسے چھوٹے چھوٹے معاملات میں وہ بڑے شوق سے مشورہ دیتے اور معاملات میں شریک ہوتے۔

اب وہ رب کریم کے پاس اپنے ٹھکانے پر پہنچ چکے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ وہاں ان کا استقبال بلند پایہ فرشتوں نے کیا ہو، ان کو اپنے رب کے جوار رحمت میں جگہ حاصل ہو، ان کا شمار ابرار و صالحین میں ہو اور ہر گھڑی میں ان کے لیے مغفرت کا سامان ہو۔ آمین۔

میں سوچتی ہوں صرف ماموں جی ہی نہیں گئے، ایک بہترین رہنما، ایک مشفق استاد اور ایک قابل قدر مشیر رخصت ہو گیا۔

الھم أجرنی فی مصیبتی و اخلفنی خیراً منھا۔

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

نعیم احمد بلوچ

ذکر ایک مطمئن چہرے کا

جذبات و احساسات غیر مادی ہوتے ہیں۔ انھیں جب شعوری طور پر مادی قالب پہنانا ہو تو معاملہ کس قدر مشکل ہو جاتا ہے، اس کا اندازہ مجھے اس وقت ہوا جب اپنے شفیق بزرگ خالد مسعود کی وفات پر بہت سوچنے اور لکھنے میں بہت پرعزم ہونے کے باوجود عشرہ بھر میں کچھ نہ لکھ سکا۔ خیالات لفظوں کا قالب ڈھالے ہجوم در ہجوم ذہن تک رسائی حاصل کرتے رہے، لیکن بھلا 'ہجوم' بھی کوئی بامعنی شے ہوتا ہے!

قلم کبھی ان کے علمی مرتبے سے مرعوب ہوتا تو خیال ہوتا کہ یہ کام مجھ جیسا طفل مکتب کیا کرے گا، یہ تو ان کے ہم پلہ کسی تلمیذ اصلاحی کا مقام ہو سکتا ہے کہ وہ بتائے کہ خالد مسعود امین احسن اصلاحی کی علمی وراثت کے شعوری امین تھے۔ دورِ جدید کے جید عالم تھے۔ پھر یہ خیال ہوتا کہ انھیں جو تعلق خاطر اپنے استاد کے ساتھ تھا، اس سے عقیدت کے کچھ پھول چنوں، مگر یہ فکر دامن گیر ہو جاتی کہ کہیں سطحی ذہنیت یہ نہ سمجھ لے کہ وہ اپنے استاد کے مقلد محض تھے اور عقیدت نے ان سے نقد و نظر کی بلوغت چھین لی تھی اور مزید یہ کہ بھلا اس شخص کا فکرِ فراہی و اصلاحی سے کیا تعلق جس کے بارے میں شبہ ہو جائے کہ وہ بات کے حسن و قبح سے واقف ہوئے بغیر اسے تسلیم کر لیتا ہے۔ یوں مجھے اپنے اس خیال کو ترک کرنا پڑا۔ اب میرا ذہن اس بات کی طرف مبذول ہوا کہ انھوں نے اپنی طالب علمی کا سارا عرصہ سائنسی علوم سیکھنے میں صرف کیا، مگر پھر ایسا انقلاب آیا کہ انھوں نے علوم دین کو اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ یہ ''انقلاب'' ان کی زندگی کا چونکا دینے والا پہلو ہو سکتا تھا، لیکن جب اس نظر سے ان کی زندگی پر ایک نظر ڈالی تو انکشاف ہوا کہ ان کی زندگی کسی بھی انقلاب یا کایا کلپ سے خالی تھی۔ علوم دین میں دلچسپی اور مذہبی زندگی تو ان کی خاندانی وراثت تھی۔ انھوں نے تو پرورش ہی ایک ایسے عالم دین کے گھر پائی تھی جو حنفی ضرور تھے، مگر تقلید کو علمی ترقی میں بہت بڑی رکاوٹ سمجھتے تھے اور یہ نصیحت ان کی شعوری میراث تھی کہ اختلافات کو مخالفت میں اور روایت پسندی کو روایت پرستی میں نہیں ڈھلنا چاہیے۔ اسی پس منظر کی وجہ سے جب وہ سائنس کے طالب علم تھے تو اس سے آیات الٰہی کا علم

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

حاصل کرتے تھے۔ یوں وہ کبھی دینی علوم اور مذہبی زندگی سے دور نہیں رہے تھے۔ تب مجھے یہ بات متاثر کن لگی کہ وہ بہت سی کتب کے مترجم، مرتب اور مصنف تھے، ایک سہ ماہی رسالے ''تدبر'' کے برسوں مدیر رہے۔ یقیناً ان کی انشاپردازی، نثر نگاری اور قلم کاری کا تذکرہ ان کی شخصیت کے محاسن کو اجاگر کرے گا۔ مگر یہاں یہ الجھن میرے راہوارِ قلم کو روک کر کھڑی ہوگئی کہ خالد مسعود تو دور جدید کے نثر نگار ہیں۔ وہ سائنسی حقائق ہوں یا ادق علمی مسائل، انھیں ادبی پیرائے کے بجائے سیدھے سادے الفاظ میں بے تکلفی سے بیان کرنے کے عادی ہیں۔ ان سے ایک دفعہ پوچھا بھی گیا کہ ان کی تحریر میں وہ ادبی شکوہ جو ان کے استاد کی تحریروں میں نظر آتا ہے، کیوں نہیں تو انھوں نے بڑی سادگی سے کہا تھا کہ امین احسن کا زمانہ وہ زمانہ تھا، جب لوگ شبلی و ابوالکلام کے اسلوب کے عادی تھے، عربی و فارسی کا پس منظر رکھتے تھے، لیکن موجودہ نسل تو درست اردو سے بھی واقف نہیں، لہٰذا نئی نسل تک بات پہنچانے کے لیے ذوق میں تبدیلی ناگزیر ہے۔ چنانچہ میرے پاس اس موضوع پر اس کے سوا اور کچھ لکھنے کے لیے باقی نہیں بچا تھا کہ انھیں اپنی بات کا ابلاغ مطلوب تھا نہ کہ ادبی ذوق کی تسکین۔ اور اس پر میں بس اس بات کا اضافہ کر سکتا تھا کہ اس اسلوب کا اختیار کرنا ان کی سادہ اور تصنع سے پاک زندگی کے عین مطابق بھی تھا!

آخر خیالات کے اس ہجوم میں اس پہلو کی طرف میری نظر گئی کہ انسان سکندر ہو یا ارسطو، محمود ہو یا ایاز، زندگی ہمیشہ اس کے لیے پل صراط ثابت ہوتی ہے ـــــ تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ـــــ سرد و گرم حالات سے سابقہ ہر ایک کو پڑتا ہے۔ محترم خالد مسعود کی زندگی بھی اس سے عبارت تھی، لیکن انھوں نے بڑے ہی صبر و تحمل، وقار و متانت اور جرأت و عزیمت سے مصائب و آلام کا سامنا کیا۔ یہ سب کچھ حقیقت ہے اور اس میں بیان کرنے کے لیے بہت کچھ ہے، لیکن آخر میں ان کی یہ داستان عزیمت کیسے بیان کر سکتا تھا، کیونکہ ایسا کرنے کے لیے مجھے کئی رازوں سے پردہ اٹھانا پڑتا تھا، کئی ایسے اپنوں کو بے نقاب کرنا پڑتا جن پر وہ خود پردہ ڈال چکے ہیں۔ میں صبر و تحمل کے اس پیکر کے متعلق یہ کیسے بتا سکتا ہوں کہ تیر کھا کے ان کی کن دوستوں سے ملاقات ہوئی تھی۔ ایسا کرنا بلاشبہ ایک ناپسندیدہ بات بھی ہوتی اور ان سے کیے اس وعدے سے بے وفائی بھی کہ ان کی بتائی باتیں سینے میں دفن رہیں گی۔ چنانچہ قلم و قرطاس کا رشتہ استوار کرنے میں ایک دفعہ پھر ناکامی ہوئی۔

تخیل کی سرگردانی اب مجھے ان کی گھریلو زندگی میں لے آئی۔ ان کا داماد ہونے کے ناتے اس حوالے سے بھی میں ان کے متعلق بہت کچھ لکھ سکتا تھا کہ وہ گھر کے کاموں میں کس قدر ہاتھ بٹاتے تھے، سودا سلف لانا ہو یا کوئی اور کام، کبھی کبیدہ خاطر نہ ہوتے، اپنی ضرورت کی قربانی ہو یا اپنی پسند و ناپسند پر دوسروں کی خوشی کو فوقیت دینے کا رویہ، صرف نظر اور عفو درگزر کے حیران کن واقعات بیان کیے جا سکتے تھے، لیکن خیال ہوا کہ ایسے واقعات کا بیان شاید ان کے متعلقین کے لیے خفت کا باعث ہو گا اور مبادا انھیں یہ احساس جرم آن لے کہ ان کے ہوتے ہوئے کس صلاحیت اور کس مرتبے کے عالم دین کا قیمتی وقت اور توانائی کیسے کاموں میں صرف ہوتی رہی۔ مختلف معاملات میں ان کے درگزر اور خاموشی کا انھوں نے کس قدر غلط مطلب سمجھا

تھااوران کی معمولی خوشیوں اور بے جاتمنا کی خاطر انھیں کیسے کیسے پاپڑ بیلنے پڑے۔

جب ان کی زندگی کے اس باب کو بھی چھوڑنے کا فیصلہ کیا تو میں گھبرا گیا۔ ان پر لکھنے کے قرض کو ادا نہ کر سکنے کے خوف نے مجھے جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ اس شدت احساس اور طبیعت پر طاری انقباض کے درمیان جاری کشمکش اب اپنے عروج کو پہنچ گئی تھی۔ اس عالم میں میری نظروں کے سامنے ان کا چہرہ گھوم گیا۔ اس چہرے پر ایک سکون تھا، ایک اطمینان تھا۔ ایک عجیب شان بے نیازی تھی۔ مجھے یاد آ رہا تھا کہ ان کے چہرے کا یہ منظر اس وقت میرے ذہن کا حصہ بنا تھا جب وہ اس دنیا سے رخصت ہونے والے تھے۔ ڈاکٹر اپنی سی کوشش میں مصروف تھے اور ان کا چہرہ زبان حال سے ان کی کوششوں کا مذاق اڑا رہا تھا اور ان کی خاموش زبان یہ بتانے کے لیے بے قرار لگ رہی تھی کہ یہ زندگی چاہے عالم کی ہو یا طالب علم کی، عامی کی ہو یا خاص کی، اس کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ وہ اللہ کی بنائی ہوئی جنت میں رہنے کا اہل ہے! اور ان کے چہرے کا اطمینان یہ بتا رہا تھا کہ انھیں یقین ہے کہ انھوں نے اپنے شیطان کو آخری اور حتمی شکست دے ڈالی ہے اور وہ فرشتۂ اجل کو دیکھ کر غزوۂ احد میں شہید ہونے والے صحابی کی طرح خوشی سے یہ کہہ رہے ہیں کہ: 'فزت برب الکعبہ' (رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا)۔ تب مجھے معلوم ہوا کہ دور جدید کے اس جید عالم کی کامیابی کی یہی داستان اس کی شخصیت کا سب سے اہم اور سب سے قابل ذکر پہلو ہے۔

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

O

اے کاش، کبھی سنتے معنی کی خبر لائی الفاظ کے پیچوں سے انساں کی شناسائی
کیا رنگ دکھائے گی خرمن میں یہ چنگاری ہر شخص ہے بستی میں خاموش تماشائی
اجڑے ہوئے خیموں میں خونابۂ مژگاں سے آتی ہے تمدن کی تعمیر میں رعنائی
پھر شہر ملامت کے ہر کوچہ و منزل میں مجروحِ تماشا ہے آشفتۂ تنہائی
میرے لیے کافی ہے ویرانۂ دل میرا
افلاک سے بڑھ کر ہے اس دشت کی پہنائی

---

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org